حکیم شمس اللہ قادری

کی تالیف

آثار الکرام

تاریخ ترقی علوم و فنون

بعہد سلطنت مسلمانان ہندوستان

جلد اول

سلاطین آل سبکتگین کے آثر و محاسن اور ان کے عہد کی علمی ترقیوں کا مفصل تذکرہ

رسالہ انجمن ترقی اردو جلد سوم حصہ یازدہم بابت جولائی سنہ ۱۹۲۴ء
و جلد چہارم بابتہ اپریل سنہ ۱۹۲۵ء میں شایع ہونے کے بعد سنہ ۱۹۲۵ء میں
انجمن امداد باہمی مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن
نے اپنے مطبع میں چھپوا کر شایع کیا

قیمت عہ

جناب مستطاب فضیلت مآب

نواب نظامت جنگ بہادر

ایم اے۔ ایل۔ ایل بی بیرسٹر ایٹ لا
سی۔ آئی۔ ای۔ او۔ بی۔ ای

صدرالمہام سیاسیات ممالک محروسہ سرکار نظام

کے نام نامی و اسم گرامی سے

یہ ناچیز تالیف موسوم و منسوب کیجاتی ہے۔

خاکسار
حکیم سید شمس اللہ قادری

۱۹۲۶ء کے آخیر ہفتہ میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے چالیسویں اجلاس میں شریک ہونے کے لئے میں مدراس چلا گیا۔ اور کانفرنس کے ایما سے جنوبی ہندوستان کی اسلامی تاریخ مرتب و مدون کرنے کے لئے قریباً تین مہینے مدراس میں مقیم رہنا پڑا۔ اس دوران میں اس کتاب کی طبع و اشاعت کا انتظام ہو گیا لیکن افسوس ہے کہ صحت طبع کا انتظام نہ ہو سکا۔ کتاب حیدرآباد میں چھپ رہی تھی میں مدراس میں تھا اس قدر دور رہ کر جیسے کاپیوں کی تصحیح نہ ہو سکی جس کے باعث کتاب میں طباعت و کتابت کی بہت سی غلطیاں رہ گئیں۔ ان میں سے بعض غلطیاں ایسی ہیں کہ اثناء مطالعہ کے وقت خود ناظرین بہ آسانی درست کر سکتے ہیں لیکن بعض ایسی بھی ہیں کہ انکی نسبت ناظرین کو آگاہ کرنا ضروری ہے اس لئے ذیل میں بعض اہم غلطیوں کی ایک فہرست بنا دی جاتی ہے۔ امید ہے کہ ناظرین مطالعے سے پہلے انھیں درست فرما لیں گے۔

فہرست ماخذات میں بعض مصنفین کی وفات اور کتابوں کی طبع کے حسب ذیل سنین چھوٹ گئے ہیں۔

۱۵[1] - (۱۶) زکریا قزوینی ۶۸۲ھ	(۱۷) ابن بطوطہ ۷۷۹ھ ہجری
۱۶ - (۳) جمال الدین قفطی ۶۴۶ھ	(۹) ابن خلکان ۶۸۱ھ ”
۱۷ - (۱۰) حکیم ناصر خسرو ۴۸۱ھ	(۱۱) ملا نظام الدین احمد ۱۰۰۲ھ
۱۸ - (۱۰) قاضی نور اللہ شوستری ۱۰۱۹ھ	(۱۳) ملا عبد الرحمن جامی ۸۹۸ھ
۱۶ - (۱۰) یتیمۃ الدہر ۱۳۰۳ھ	
۱۷ - (۶) ترجمہ تاریخ طبری ۱۲۹۱ھ	(۱۰) سفر نامہ حکیم ناصر خسرو ۱۸۸۲ء
(۷) نزہۃ القلوب ۱۹۲۰ء	

---

[1] جلی ہندسے سے صفحہ اور خفی ہندسہ سے سطر مراد ہے۔

۲۹ - حسب ذیل عبارت قابل ترمیم ہے :-

"منصور بن نوح کے زمانہ میں امیر ابو منصور بن عبدالرزاق طوس کا گورنر تھا۔ اس کو تاریخ عجم سے خاص دلچسپی تھی۔ ہرات۔ سیستان۔ شاپور اور طوس کے چار موبدان مجوس کو جمع کر کے اُن سے خدائی نامہ کا پہلوی سے فارسی میں ترجمہ کرایا اور اس کا نام شاہ نامہ رکھا"

صحیح یہ ہے کہ امیر ابو منصور محمد بن عبدالرزاق نصر بن احمد سامانی (سنہ ۳۰۱ھ تا ۳۳۱ھ) کا معاصر ہے اس بادشاہ کے عہد میں سنہ ۳۴۶ھ میں اس نے شاہ نامہ مرتب کرایا ہے یہ شاہنامہ خدائی نامہ کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ مختلف تاریخوں سے اس کے مضامین اخذ ہوئے ہیں اس بنا پر اوپر کی عبارت کو اس طرح صحیح کرنا چاہیئے۔

"امیر نصر بن احمد سامانی (سنہ ۳۰۱ھ تا ۳۳۱ھ) کے زمانہ میں امیر ابی منصور محمد بن عبدالرزاق طوس کا گورنر تھا۔ اس کو تاریخ عجم سے خاص دلچسپی تھی۔ اس نے ہرات سیستان، شاپور اور طوس کے چار موبدان مجوس کو جمع کر کے اُن سے سنہ ۳۴۶ھ میں عجم کی تاریخ مرتب و مدون کرائی اور اس کا نام شاہ نامہ رکھا"

اس شاہ نامہ کی نسبت مزید معلومات حاصل کرنا منظور ہو تو ہمارا مضمون "شاہ نامہ کا دیباچہ قدیم" ملاحظہ فرمایئے۔ جو رسالہ اردو جلد ہفتم حصہ بست و ششم ص ۲۶۷ تا ص ۳۱۷) میں شائع ہوا ہے۔

۴۶ - (۹) کتاب العزر کے فرانسیسی ترجمہ کا نام جو درج ہونے سے رہ گیا ہے یہ ہے :-

HiSTOIR DES ROiS DES PARSES.

۸ - نوٹ نمبر ۲ میں غ طبقات نادری صح - طبقات ناصری

۱۵ - اخیر سطر - غ غرائب الانصار - صح غرائب الامصار۔ غ حمر صح محمد

۱۶ - (۷) غ فوات القیاس صح فوات الوفیات

۱۷ - (۶) غ ترجمعہ - صح ترجمہ (۸) غ الباکنی - صح البناکتی (۱۴) غ غفار صح غفاری

۱۸ - (۱۰) غ رشید الدین الواطہ صح رشید الدین الوطواط

۲۱ - (۵) غ آل زیا - صح آل زیار

۲۲ - (۳) غ دورہ دراز صح اور دور و دراز (۲۰) جیسے - زاید ہے

۲۸ - (۱) غ ابوالحسن رودکی صح ابوعبداللہ رودکی (۳) غ کلیہ ومنہ صح کلیلہ ودمنہ -

۷۷ - (۲۰) غ بندہ صح نبد

۷۹ - (۲) غ گفت صح گفتمن (۸) غ خوشش - صح بخوشش

۸۰ - (۶) غ دام شد - صح رام شد (۲) غ از دست من - صح از انجمن -

۸۲ - (۱۶) غ استوار - صح دستور (۱۹) غ بندہ - صح نبد

۸۹ - اخیر سطر - غ - باغ فردوسی صح باغ فردوس

۹۰ - (۹) خامہ - صح فامہ (۱۲) غ اصفہد صح اصفہبند

۹۲ - (۱۱) غ مسطیار صح مطیار

۱۰۴ - (۱۵) غ اس کے - صح اسے

حکیم سید شمس اللہ قادری

باب اوّل

مقدمہ

باب دوم

امیر ناصر الدین سبکتگین اور اُسکے فرزند

باب سوم
سلطان محمود بن سبکتگین

باب چہارم
دربار محمود کے ارباب فضل و کمال

باب پنجم
دربار سلطان محمود کے شعرا

باب ششم
حکیم ابوالقاسم فردوسی

باب ہفتم
فردوسی کی تصنیفات

باب سوم

سلطان محمود بن سبکتگین

باب چہارم

دربار محمود کے ارباب فضل و کمال

باب پنجم

دربار سلطان محمود کے شعرا

باب ششم

حکیم ابوالقاسم فردوسی

باب ہفتم

فردوسی کے تصنیفات

ہندوستان کے عہد قبل از اسلام کی تاریخ جس قدر تاریک ہے اُسی قدر عہد بعد از اسلام کی تاریخ روشن ہے۔ محمود کے زمانہ سے حکومت اسلامیہ کے خاتمہ تک مسلسل تاریخ ملتی ہے۔ ہر عہد میں ایک نہ ایک ایسا مصنف ضرور گزرا ہے۔ جس نے اپنے مشاہدات اور عینی واقعات کو لکھکر سلسلہ تاریخ کو قائم رکھا۔ تاریخی سرمایہ کی اِس کثرت و افراط کے باوجود آج تک ایسی کتاب نہیں لکھی گئی کہ جس میں مسلمانان ہندوستان کی علمی تاریخ مذکور رہو۔ اور عہد بہ عہد جو انقلابات واقع ہوئے ہیں اُن کا ذکر کیا جائے۔ اِس کے ضمن میں ہر عہد کے مشاہیر فضل وکمال کا تذکرہ اور ملوک و امراء کی علمی فیاضیوں کے حالات بھی مرقوم ہوں۔ اس کمی کو میں مدت سے محسوس کر رہا تھا۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں دکن کے متعلق اِسی مضمون کی ایک چھوٹی سی کتاب لکھکر اِس عمارت کا سنگ بنیاد رکھا[1] لیکن اُس کے بعد سلسلہ تالیف جاری نہ رہ سکا۔ اور مجھے "مجلس سکوکات ہندوستان" کے ایما سے سکہ جات سلاطین مغلیہ کی تحقیقات پر متوجہ ہونا پڑا۔ ایک مدت کی مصروفیت کے بعد گذشتہ سال اِس مہم سے فراغت حاصل ہوئی۔ اِسی اثناء میں ایک بنگالی مصنف نرندرا ناتھ۔ ایم۔ اے۔ نے اِسی موضوع کے متعلق انگریزی زبان میں ایک کتاب لکھی ہے اِس میں سلطان محمود کے زمانہ سے سلطنت مغلیہ کے انحطاط تک ملوک و امراء کے علمی کارناموں کا تذکرہ ہے۔ کتاب مختصر ہے۔ تمام مضامین دو سو صفحات میں ختم ہوئے ہیں۔ اور جس قدر معلومات ہیں وہ سب معمولی اور سطحی ہیں تاہم اِس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ کہ مصنف مذکور نے منتشر اور پراگندہ واقعات نہایت محنت و دقت سے فراہم کئے ہیں۔

جب یہ کتاب میری نظر سے گذری تو پرانا خیال پھر تازہ ہوگیا۔ اور صدیق حمیم مولوی

---

[1] اس کا نام آثار الکرام ہے۔ سلاطین دکن کے آثار خیر اور علمی کارناموں کے تاریخی حالات مرقوم ہیں سنہ ۱۹۱۲ء میں افضل المطابع مراد آباد میں چھپی ہے۔

محمد اصغر صاحب بی۔اے بیرسٹرایٹ لا کی تحریک سے اِس تالیف میں ہمہ تن مصروف ہوگیا۔
۱۹۱۹ء کے اوایل ایام میں پہلی جلد تیار ہوگئی۔ لیکن نظر ثانی کرنا باقی تھا۔ کہ ایک جان گداز حادثہ پیش
آیا۔ ۸۔ مئی ۱۹۱۹ء کو میری بیوی محبوب بیگم کا مختصر علالت کے بعد دفعتاً انتقال ہوگیا۔ مرحومہ
کو اس تالیف سے خاص دلچسپی تہی۔ فردوسی کے حالات میں تالیف شاہنامہ کی نسبت جو ابیات
درج ہیں۔ اُنہیں مرحومہ نے شاہنامہ جیسی ضخیم کتاب کو حرف حرف پڑہنے کے بعد انتخاب
کیا تھا۔ ابہی اِس صدمہ سے سنبھلنے کی نوبت نہیں آئی تہی کہ ۱۰۔ جولائی ۱۹۱۹ء کو ایک شیر خوار
لڑکا ماں کے پہلو میں سپرد خاک کرنا پڑا۔ اِن پیہم حادثات کی وجہ سے کئی مہینے تک لکھنے پڑہنے
کا سلسلہ مسدود ہوگیا۔ جب کسی قدر اطمینان ہوا تو میں نے کتاب پر نظر ثانی کی اور مسودہ میں
جو خامیاں رہ گئی تھیں اُنکو درست کردیا۔

اِس کتاب کی تالیف میں ادب اور تاریخ و تراجم کی کثیر التعداد کتابوں سے مدد لیگئی ہے
ضخیم ضخیم تصنیفات کا عرصہ تک مطالعہ کرنے کے بعد اِن منتشر اور پراگندہ معلومات کا سرمایہ
فراہم ہوا ہے۔ مصنفین کا دستور ہے کہ دیباچہ میں ماخذات کی فہرست بھی درج کر دیتے ہیں لیکن
میں نے اس کے خلاف عمل کیا ہے۔ ہر خاندان اور ہر عہد کے حالات علیحدہ علیحدہ کتابوں سے
ماخوذ ہیں۔ اس لئے ہر جلد کے ساتھ اُس کے ماخذات کی تفصیل بیان کی ہے۔ اور اُن کے
انتباہات بھی موقع بموقع تحریر کر دیئے ہیں۔

پہلی جلد سلاطین پنجاب کے متعلق ہے۔ جنکو زمانہ حال کے مورخ سلاطین[1] حملہ آور کے
نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اِس میں صرف ایک خاندان آل سبکتگین کے حالات مذکور ہیں۔ جنکا
مشہور نام سلاطین غزنویہ ہے۔ آل سبکتگین کے حالات پر سب سے پہلے عتبی نے قلم اُٹھایا ہے
اُس نے اپنی کتاب میں امیر ناصرالدین سبکتگین اور سلطان محمود کے حالات لکھے ہیں[2]۔ اس کے بعد

---

[1] ریو۔ جلد ۱ صفحہ ۱۵۷۔

[2] ریو جلد صفحہ ۱۵۸۔

ابو الفضل بیہقی نے سلطان فرخ زاد (۴۴۴ھ تا ۴۵۱ھ) کے زمانہ میں سلطان محمود اور اُس کے نامور فرزند سلطان مسعود کے سوانحات کو چھوٹی چھوٹی تیس جلدوں میں قلم بند کیا ہے۔ آل سبکتگین کے بارے میں ان کتابوں سے بہتر اور معتبر کوئی دوسری کتاب دنیا میں نہیں ملسکتی کیونکہ اُن کے مصنفین ہم عصر ہونے کے علاوہ شاہی درباروں کے بارسوخ ارکان تھے۔ اور اُن لوگوں نے اپنی تصنیفات میں عینی اور یقینی واقعات کو لکھا ہے۔ وزیر جمال الدین القفطی المتوفی ۶۴۶ھ نے جس کی تاریخ الحکماء دنیا کے نفیس ترین تصنیفات میں شمار ہوتی ہے۔ چھٹی صدی کے اخیر ایام میں سلطان محمود کی مفصل تاریخ لکھی ہے[1]

آل سبکتگین کے حالات میں بظاہر یہی تین کتابیں ملتی ہیں۔ ممکن ہے کہ اور بھی کتابیں لکھی گئی ہوں گی۔ مگر وہ ابھی تک پردۂ خفا میں مستور ہیں۔ ان کتابوں سے قفطی کی کتاب ناپید ہوگئی ہے۔ اور صرف تاریخ وتراجم میں اُس کا نام باقی رہ گیا ہے۔ بقیہ دو کتابیں موجود ہیں ہر جگہ ملتی ہیں اور ہم نے بھی انہیں پڑھا ہے لیکن اُن میں کام کی باتیں بہت کم ملی ہیں۔

ساتویں صدی میں اور اُس کے بعد ایران وہندوستان کی نسبت جو تاریخیں لکھی گئی ہیں اُن سب میں آل سبکتگین کے حالات مرقوم ہیں۔ مشہور مورخ عزالدین ابن اثیر نے ۶۳۰ھ میں اپنی مشہور ومعروف تاریخ تصنیف کی ہے۔ اُس میں متفرق شذرات کے تحت میں اس خاندان کے حالات کمال شرح وبسط کے ساتھ تحریر کئے ہیں۔ ابن اثیر کے اٹھائیس سال بعد سلطان ناصر الدین محمود کے زمانہ میں ۶۵۸ھ میں قاضی منہاج الدین جوزجانی نے طبقات ناصری لکھی ہے۔ اُس میں بھی اس خاندان کے حالات موجود ہیں[2]۔ اِن کتابوں کے بعد ایک عرصہ تک کوئی قابل ذکر تاریخ تصنیف نہیں ہوئی۔ لیکن اس کی تلافی مغلوں کے عہد میں ہوگئی۔ اور اس زمانہ میں کئی مفید اور کارآمد تاریخیں لکھی گئی ہیں۔ غازان خان کے وزیر طبیب رشید الدین فضل اللہ نے

---

[1] فوات الوفیات۔ جلد ۲ صفحہ ۱۲۱

[2] ایلیٹ ہسٹری جلد ۱ صفحہ ۲۵۹۔ میجر ریورٹی نے طبقات ناصری [illegible]

سنہ ۷۱۰ھ میں جامع التواریخ لکھی۔ جو نہایت ضخیم کتاب ہے۔ اور دنیا کی بہترین تصنیفات میں شمار ہوتی ہے[۱] اس میں ایک خاص باب آل سبکتگین کے متعلق ہے اور اُس میں مصنف نے رطب و یابس تمام حالات جمع کر دیے ہیں۔ ۷۱۷ھ میں فخر الدین بناکتی نے جامع التواریخ کا خلاصہ لکھا۔ اور اُس کا نام روضۃ اولی الالباب فی تواریخ الاکابر والانساب رکھا[۲]۔ اِن دونوں کتابوں کو پیش نظر رکھکر حمد اللہ مستوفی نے تاریخ گزیدہ کو تصنیف کیا[۳]۔ اس میں آل سبکتگین کے حالات اگرچہ مختصر ہیں۔ لیکن مصنف نے کوئی کارآمد بات چھوڑی نہیں ہے۔

اِن کتابوں کے بعد علم تاریخ میں بہت سی ضخیم ضخیم کتابیں تصنیف ہوئی ہیں مثلاً میر خوند کی روضۃ الصفا[۴]۔ خوند میر کی حبیب السیر۔ احمد غفاری کی جہان آرا۔ نظام الدین احمد کی طبقات اکبری۔ ملا عبد القادر بدایونی کی منتخب التواریخ۔ حکیم محمد قاسم کی تاریخ فرشتہ وغیرہ وغیرہ۔ اِن سب میں آل سبکتگین کے حالات زیادہ تر مذکورہ صدر کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ اِن تمام کتابوں کو میں نے حرف بحرف پڑھا۔ اور جو باتیں مفید مطلب ملیں اُن کو نقل کر لیا۔ لیکن اس محنت سے جو سرمایہ حاصل ہوا وہ اِس قابل نہیں تھا کہ اُس کی بنیاد پر ایک کتاب تیار ہو سکتی۔ اسلیے میں نے تراجم کی طرف توجہ کی۔ اور اُن سلاطین کے درباروں میں جو ارباب فضل و کمال جمع تھے۔ اُن کے حالات و مقالات کا مطالعہ کیا۔ اِس بارے میں حسب ذیل کتابوں سے خاص کر مدد ملی ہے

(بقیہ صفحہ سابق) کا انگریزی ترجمہ کیا ہے جو دو جلدوں میں ۱۸۵۸ء میں چھپا ہے مشرق و مغرب کی قدیم و جدید تصنیفات میں سلاطین غزنین و غور کے متعلق رطب و یابس غث و سمین جو ملتا ہے وہ سب اس ترجمہ کے حاشیوں میں نقل ہے۔

[۱] ریو جلد ۱ صفحہ ۷۴۔ ایلیٹ جلد ۱ صفحہ ۴۲ [۲] ریو جلد ۱ صفحہ ۷۹۔ ایلیٹ جلد ۳ صفحہ ۵۵

[۳] ریو جلد ۱ صفحہ ۵۹ [۴] روضۃ الصفا سے اخذ کرکے محض سلاطین آل سبکتگین کے حالات فرانسس ولکن نے ۱۸۳۲ء میں چھاپے ہیں اور اُس کا لاطینی میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ دوسری تاریخوں سے مدد لیکر موقع بموقع حواشی بھی اضافہ کئے ہیں خصوصاً روضۃ الصفا اور تاریخ فرشتہ میں جو اختلافات ہیں اُن کو کمال وضاحت

امام ابو المنصور ثعلبی کی کتاب یتیمۃ الدہر۔ نور الدین محمد عوفی کا تذکرہ لباب الالباب۔ نظامی عروضی سمرقندی کا چہار مقالہ۔ دولت شاہ سمرقندی کا تذکرۃ الشعراء وغیرہ۔ اس کے بعد میں نے مستشرقین یورپ کی اُن تصنیفات کو مطالعہ کیا۔ جو فارسی لٹریچر کے متعلق لکھی گئی ہیں۔ مثلاً مرحوم چارلس ریو کی فہرست مخطوطات فارسی۔ پروفیسر براؤن کی ایران کی تاریخ علمی۔ ڈاکٹر ہارن کی تاریخ علوم ادبیہ اہل ایران وغیرہ ان کتابوں سے مجھے بہت مدد ملی۔ اور ایک اچھی خاصی کتاب کا سرمایہ مہیا ہوگیا تاہم بہت سی باتیں تشنہ اور تحقیق طلب رہ گئیں۔ اُن کے لئے ادب تاریخ جغرافیہ تراجم اور معجمات کی کثیر التعداد کتابوں کی ورق گردانی کرنی پڑی ہے۔ جن کی فہرست دیباچہ کے آخر میں شامل ہے۔

اس وسیع مطالعہ کے دوران میں مورخین اور تذکرہ نویسوں کی بہت سی غلطیوں کا راز فاش ہوا ہے۔ مثلاً تمام تاریخ و تراجم کی کتابوں میں درج ہے کہ فردوسی نے سلطان محمود کے حکم سے شاہنامہ لکھا۔ لیکن خود فردوسی کی تصریحات سے اس کی تکذیب ہوتی ہے اسی طرح نظامی عروضی سمرقندی نے لکھا ہے کہ الپتگین نے نوح بن منصور کے زمانہ میں علم بغاوت بلند کیا۔ حالانکہ نوح بن منصور ۳۶۶ھ میں برسر حکومت ہوا ہے۔ اور اُس کے جلوس سے چودہ سال پہلے ۳۵۲ھ میں الپتگین نے وفات پائی ہے۔ اس قبیل کے جس قدر واقعات کتاب میں آگئے ہیں میں نے بطور خاص اُن کی تحقیقات کی ہے۔ اور معتبر و مستند کتابوں سے استفادہ حاصل کرنے کے بعد حقیقت حال کا انکشاف کیا ہے۔

مستشرقین یورپ نے ہندوستان کے عہد حکومت اسلامیہ کی جو تاریخیں لکھی ہیں اُن میں واقعات کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ یہ تقسیم چونکہ سنین اور جغرافیہ کے لحاظ سے ہے اس لئے واقعات کے طرز بیان میں بہترین ترتیب پیدا ہوگئی ہے۔ اور اس سے وہ تمام عیوب رفع ہوگئے ہیں جو قدیم

(بقیہ صفحہ سابق) کے ساتھ بیان کیا ہے۔

تاریخوں میں موجود تھے۔ مثلاً سنین کے اعتبار سے مختلف سلطنتوں کے حالات کو یکجا بیان کرنا۔ یا مختلف خاندانوں کے واقعات کثیر الاختلال کو بلا امتیاز خلط ملط کر دینا وغیرہ۔ میں نے بھی اس کتاب میں اُسی تقسیم کی اتّباع کی ہے اور اُس کا اجمالی نقشہ یہ ہے۔

کتاب اوّل

سلاطین حملہ آور

سلاطین آل سبکتگین	سنہ ۳۵۱ھ	سنہ ۵۸۲ھ

کتاب دوم

سلاطین دہلی

سلاطین آل شنسب	سنہ ۵۴۳ھ	سنہ ۶۱۲ھ
سلاطین مملوک	سنہ ۶۰۲ھ	سنہ ۶۸۹ھ
سلاطین خلجی	سنہ ۶۸۹ھ	سنہ ۷۲۰ھ
سلاطین تغلق	سنہ ۷۲۰ھ	سنہ ۸۱۷ھ
سلاطین سادات	سنہ ۸۱۷ھ	سنہ ۸۵۵ھ
سلاطین لودہی	سنہ ۸۵۵ھ	سنہ ۹۳۲ھ
سلاطین افغان	سنہ ۹۴۷ھ	سنہ ۹۶۲ھ

کتاب سوم

سلاطین دہلی کی ہمعصر سلطنتیں

شاہان بنگال	سنہ ۷۳۹ھ	سنہ ۹۰۵ھ
شاہان جون پور	سنہ ۷۹۶ھ	سنہ ۹۰۵ھ
شاہان مالوہ	سنہ ۸۰۴ھ	سنہ ۹۳۷ھ
شاہان گجرات	سنہ ۷۹۹ھ	سنہ ۹۸۰ھ

تاریخوں میں موجود تھے۔ مثلاً سنین کے اعتبار سے مختلف سلطنتوں کے حالات کو یکجا بیان کرنا۔ یا مختلف خاندانوں کے واقعات کثیر الاختلال کو بلا امتیاز خلط ملط کر دینا وغیرہ۔ میں نے بھی اِس کتاب میں اُسی تقسیم کی اتّباع کی ہے اور اُس کا اجمالی نقشہ یہ ہے۔

کتاب اوّل — سلاطین حملہ آور

سلاطین	سنہ	سنہ
سلاطین آل سبکتگین	۳۵۱ھ	۵۸۲ھ

کتاب دوم — سلاطین دہلی

سلاطین	سنہ	سنہ
سلاطین آل شنسب	۵۴۳ھ	۶۱۲ھ
سلاطین مملوک	۶۰۲ھ	۶۸۹ھ
سلاطین خلجی	۶۸۹ھ	۷۲۰ھ
سلاطین تغلق	۷۲۰ھ	۸۱۷ھ
سلاطین سادات	۸۱۷ھ	۸۵۵ھ
سلاطین لودہی	۸۵۵ھ	۹۳۲ھ
سلاطین افغان	۹۴۶ھ	۹۶۲ھ

کتاب سوم — سلاطین دہلی کی ہمعصر سلطنتیں

شاہان	سنہ	سنہ
شاہان بنگال	۷۴۹ھ	۹۰۵ھ
شاہان جون پور	۷۹۶ھ	۹۰۵ھ
شاہان مالوہ	۸۰۴ھ	۹۳۷ھ
شاہان گجرات	۷۴۹ھ	۹۸۰ھ

زمانۂ حال کے بعض مورخین نے سلاطین آل سبکتگین کو تاریخ ہندوستان سے خارج کردیا ہے اُسے صرف افغانستان کا فرمانروا خاندان تصور کرتے ہیں۔ اور اُس کی حیثیت تاریخ ہندوستان میں محض حملہ آور بادشاہوں کی قرار دیتے ہیں۔ اُن کی رائے کے مطابق ہندوستان کی حکومت اسلامیہ کا آغاز محمد بن سام کے زمانہ سے ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ پہلا بادشاہ ہے۔ جس کے زمانہ میں دہلی فتح ہوئی اور اُسے مسلمانوں نے اپنا دارالحکومت بنایا۔ سلطان محمود نے سنہ ۱۰۰۱ئہ سے ۱۰۲۶ء تک ہندوستان پر بارہ حملے کئے اور افغانستان کے پہاڑوں سے اوتر کر جنوب میں کوہستان بندھیاچل تک اپنی فتوحات کے دائرہ کو وسیع کرتا گیا۔ اُس کی فتوحات کے انتہائی مقامات مشرق میں کالنجر اور مغرب میں سومنات تھے۔ پہلا مقام گنگا کے نیچے بندیل کھنڈ میں اور دوسرا گجرات میں ساحل سمندر پر واقع ہے سنہ ۱۰۱۸ء میں محمود نے قنوج و متھرا کو فتح کیا[۱] سنہ ۱۰۲۲ء میں کالنجر کے راجہ کو مطیع و منقاد بنایا[۲] سنہ ۱۰۲۴ء میں گجرات کے دارالسلطنت نہروالہ پٹن پر قبضہ کرکے سومنات کو تاخت و تاراج کیا[۳]۔ سلطان محمود کے بعد اُس کی اولاد سے ہندؤں نے مفتوحہ ممالک کا بہت سا حصہ واپس لے لیا لیکن پنجاب ان کے قبضہ سے نہیں نکل سکا۔ اسی اثنا میں غوری خاندان کو عروج حاصل ہوا۔ اور بہرام شاہ کے زمانہ میں غزنین پر اس کا قبضہ ہوگیا۔ اس وقت صرف پنجاب کی حکومت غزنویوں کے ہاتھ میں باقی رہ گئی۔ بہرام شاہ نے غزنین سے نکل کر پنجاب میں سکونت اختیار کی۔ اور اُس کے دو جانشین خسرو شاہ ۵۵۵ھ-۵۴۷ھ اور خسرو ملک ۵۵۵ھ-۵۸۲ھ لاہور کو اپنا دارالسلطنت بنا کر کم و بیش چھتیس سال تک پنجاب میں حکومت کرتے رہے[۴]۔ سنہ ۵۸۳ھ میں محمد بن سام نے جس کو شہاب الدین غوری کہتے ہیں لاہور کو فتح کرلیا[۵]۔ تو پنجاب اُس کے تصرف میں آگیا۔ اس کے بعد

---

۱ طبقات اکبری۔ صفحہ ۱۲ و ۱۳۔

۲ طبقات اکبری صفحہ ۱۵۔

۳ طبقات اکبری۔ صفحہ ۱۶۰۔

۴ طبقات اکبری صفحہ ۳۰۔

۵ طبقات اکبری صفحہ ۳۰۔

اندرونی علاقوں کی تسخیر میں مصروف ہوا۔ یہ مہمات ابھی انجام کو نہیں پہونچے تھے کہ ۶۰۲ھ میں ملاحدہ[1] نے اُسے دریائے جیلاب کے کنارے مار ڈالا اور اُس کی حکومت اُس کے غلاموں میں تقسیم ہوگئی۔ اور ہندوستان قطب الدین ایبک کے حصہ میں آیا۔

سلطان محمود کے زمانہ سے محمد بن سام کے ظہور تک پنجاب پر مسلمانوں کا مستقل قبضہ رہا ہے۔ غزنویوں کے ہاتھ سے اُن کی خاص سلطنت نکل گئی لیکن پنجاب میں اخیر زمانہ تک انکے قدم برابر جمے رہے ہیں۔ پنجاب ہندوستان سے خارج نہیں ہے۔ بلکہ اُس کا ایک ممتاز ترین حصہ ہے ایسی صورت میں بظاہر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کہ پنجاب کے مستقل حکمران خاندان کو ہندوستان کی تاریخ سے خارج کر دیا جائے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ زمانہ مابعد کے اُن فرمانروا خاندانوں کے حالات تاریخ ہندوستان میں ملتے ہیں۔ جو پنجاب کے سرحدی علاقہ جات پر حکمران تھے۔ مثلاً سلاطین کشمیر۔ سلاطین ملتان۔ سلاطین سندھ وغیرہ۔

نظربریں اگر مورخین زمانہ حال کی رائے کو کسی قدر وقعت سے دیکھا جائے اور جغرافیہ کے لحاظ سے حکمران خاندانوں کی تقسیم کی جائے تو ایسی صورت میں اس خاندان کو سلاطین ہندوستان کی بجائے سلاطین پنجاب یا سلاطین لاہور کے لقب سے تعبیر کرنا قرین احتیاط معلوم ہوتا ہے۔ آج سے تین سو سال پہلے مشہور مورخ حکیم محمد قاسم فرشتہ نے بھی اس نکتہ کو محسوس کیا ہے اور اپنی تاریخ کے مقالہ اول میں سلاطین غزنویہ کو سلاطین لاہور کے لقب سے یاد کرتا ہے[2] اور اس بارے میں محمد ہاشم خافی خان نظام الملکی نے بھی مورخ فرشتہ کی پیروی کی ہے۔ اور اپنی مشہور تاریخ منتخب اللباب کی پہلی جلد میں اس خاندان کے حالات اسی عنوان سے شروع کئے ہیں۔

---

[1] طبقات اکبر صفحہ ۴۰۔

[2] تاریخ فرشتہ ج ۱ صفحہ ۱۰۔

ماخذِ تالیف

کُتبِ عربی

تاریخ

آثار الباقیہ فی قرون الخالیہ	حکیم ابوریحان البیرونی المتوفی سنہ ۴۳۰ھ	لیبزک۔ سنہ ۱۸۷۸ء
تاریخ ملوک الارض	حمزہ بن الحسن الاصفہانی	کلکتہ۔ سنہ ۱۸۶۶ء
التنبیہ والاشراف	امام ابوالحسن علی بن حسین المسعودی المتوفی سنہ ۳۴۶ھ	لیڈن۔ سنہ ۱۸۹۳ء
حسن المحاضرہ فی اخبار المصر والقاہرہ	علامہ جلال الدین السیوطی المتوفی سنہ ۹۱۱ھ	مصر۔ سنہ ۱۲۹۹ھ
الخطط والآثار	علامہ تقی الدین احمد المقریزی المتوفی سنہ ۸۴۵ھ	مصر۔ سنہ ۱۲۷۰ھ
کتاب الغرر فی سیر ملوک الفرس	امام ابو منصور الثعلبی المتوفی سنہ ۴۳۰ھ	پیرس۔ سنہ ۱۹۰۰ء
فتح الوہبی بشرح یمینی	احمد انیسی المتوفی سنہ ۱۱۷۰ھ	مصر۔ سنہ ۱۲۸۶ھ
الکامل فی التاریخ	علامہ عزالدین علی بن محمد بن اثیر الجزری المتوفی سنہ ۶۳۰ھ	لیڈن۔ سنہ ۱۸۶۶ء
مروج الذہب	امام ابوالحسن علی المسعودی	مصر۔ سنہ ۱۲۸۳ھ
کتاب الیمینی	عبدالجبار العتبی	دہلی۔ سنہ ۱۸۴۹ء

جغرافیہ

آثار البلاد واخبار العباد	زکریا بن محمد القزوینی المتوفی سنہ ۶۸۲ھ	لیپزک۔ سنہ ۱۸۴۸ء
تحفۃ النظار فی غرائب الامصار	ابو عبداللہ محمد بن بطوطہ۔ سنہ ۷۷۹ھ	پیرس۔ سنہ ۱۸۷۴ء

معجم البلدان	ابو عبداللہ یاقوت الحموی المتوفی ۶۲۶ھ	لیپزک۔ سنہ ۱۸۶۶ء

تراجم رجال

تاریخ الحکماء	قاضی اکرم جمال الدین القفطی المتوفی ۶۴۶ھ	لیپزک۔ سنہ ۱۹۰۳ء
الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ	شیخ عبدالقادر بن ابی الوفا القرشی المتوفی ۷۷۵ھ	حیدرآباد۔ سنہ
سُبحۃ المرجان	میر غلام علی آزاد بلگرامی المتوفی سنہ ۱۲۰۰ھ	بمبئی۔ ۱۲۹۹ھ
عیون الانبا فی طبقات الاطباء	ابو العباس احمد بن ابی اصیبعہ المتوفی ۶۶۸ھ	مصر۔ سنہ ۱۳۰۰ھ
فوات الوفیات	محمد بن شاکر الکتبی المتوفی ۷۶۴ھ	مصر۔ سنہ ۱۲۹۹ھ
نزہۃ الارواح وحدیقۃ الافراح	علامہ شمس الدین شہرزوری	قلمی
وفیات الاعیان	شمس الدین احمد بن خلکان البرکی المتوفی ۶۸۱ھ	گوٹنگن۔ سنہ ۱۸۳۵ء
یتیمۃ الدہر	امام ابو المنصور الثعلبی المتوفی سنہ ۴۳۰ھ	مصر۔ سنہ ۱۳۰۲ھ

کتبِ اسناد

کتاب الفہرست	محمد بن اسحٰق الوراق المعروف بابن الندیم المتوفی سنہ ۳۸۵ھ	یورپ۔ سنہ ۱۸۷۲ء
کشف الظنون	حاجی خلیفہ مصطفےٰ بن عبداللہ چلپی المتوفی سنہ ۱۰۶۸ھ	یورپ۔ سنہ ۱۸۳۵ء
مفتاح السعادۃ	ابو الخیر احمد بن مصطفےٰ المعروف بطاش کبری زادہ المتوفی سنہ ۹۶۲ھ	حیدرآباد۔ سنہ ۱۳۲۸ھ

کتب فارسی

تاریخ

تاریخ فرشتہ	حکیم محمد قاسم فرشتہ	لکھنؤ - سنہ ۱۸۶۴ء
تاریخ گزیدہ	حمد اللہ مستوفی	لیڈن - سنہ ۱۹۱۰ء
تاریخ مسعودی	علامہ ابو الفضل بیہقی -	کلکتہ - سنہ ۱۸۶۲ء
ترجمہ تاریخ طبری	محمد بن محمد البلعمی المتوفی سنہ	لکھنؤ - سنہ [illegible]۹۷ھ
حبیب السیر	مرزا غیاث الدین خواند میر المتوفی سنہ ۹۴۲ھ	بمبئی - سنہ ۱۲۷۳ھ
روضۃ اولی الالباب	فخر الدین البناکتی	قلمی -
روضۃ الصفاء	میر خوند محمد بن خاوند شاہ ہروی المتوفی سنہ ۹۰۳ھ	یورپ - سنہ ۱۸۳۲ء
سیاحت نامہ	حکیم ناصر خسرو علوی المتوفی سنہ ۴۸۱ھ	دہلی - سنہ ۱۸۸۲ء
طبقات اکبری	ملا نظام الدین احمد بخشی المتوفی سنہ ۱۰۰۳ھ	کلکتہ - سنہ ۱۲۹۲ھ
طبقات ناصری	قاضی منہاج الدین الجوزجانی	کلکتہ - سنہ ۱۸۶۴ء
منتخب التواریخ	شیخ عبد القادر بدایونی المتوفی سنہ ۱۰۰۴ھ	کلکتہ - سنہ ۱۸۶۵ء
نگارستان	قاضی احمد بن محمد غفار	بمبئی - سنہ ۱۲۷۵ھ

جغرافیہ

گنج دانش	معتمد السلطان مرزا محمد تقی خاں	ایران - سنہ ۱۳۰۵ھ
نزہۃ القلوب	حمد اللہ مستوفی	لیڈن - سنہ ۱۹۲۰ء

تراجم

کتاب	مصنف	مقام	سنہ
آتشکدہ	مرزا لطف علی آذر	بمبئی۔	سنہ ۱۲۹۹ھ
تذکرۃ الشعراء	دولت شاہ سمرقندی	بمبئی	سنہ ۱۳۰۵ھ
چہار مقالہ	نظامی عروضی سمرقندی	بمبئی۔	سنہ ۱۹۰۹ء
خزانۂ عامرہ	میر غلام علی آزاد بلگرامی المتوفی سنہ ۱۲۰۰ھ	لکھنو۔	سنہ ۱۸۷۱ء
سفینۃ الاولیاء	شہزادہ محمد دارا شکوہ	لکھنو۔	سنہ ۱۹۰۰ء
لباب الالباب	نور الدین محمد عوفی	لیڈن۔	سنہ ۱۹۰۰ء
لطائف الطوائف	ملا علی بن حسین واعظ الکاشفی	بمبئی۔	سنہ ۱۳۱۱ھ
مجالس العشاق	سلطان حسین مرزا بایقراء	لکھنو۔	سنہ ۱۲۹۳ھ
مجالس المومنین	قاضی نور اللہ شوستری المتوفی سنہ ۱۱۱۹ھ	ایران	سنہ ۱۲۹۹ھ
مجمع الفصحاء	رضا قلی خاں ہدایت	طہران۔	سنہ ۱۲۹۱ھ
مرآۃ الخیال	شیر خاں لودھی	بمبئی۔	سنہ ۱۳۱۲ھ
نفحات الانس	مولانا عبدالرحمن الجامی المتوفی سنہ ۸۹۸ھ	بمبئی۔	سنہ ۱۲۸۲ھ
ہفت آسمان	مولانا احمد علی	کلکتہ۔	سنہ ۱۲۸۴ھ
ہفت اقلیم	امین احمد رازی	قلمی۔	

متفرق

کتاب	مصنف	مقام	سنہ
حدائق السحر	الشاعر رشید الدین الوطواط	قلمی	
شاہنامہ	حکیم ابوالقاسم فردوسی	بمبئی	سنہ ۱۲۷۲ھ

قابوس نامہ	امیر عنصر المعالی کیکاؤس بن اسکندر و شمگیر	طہران	۱۲۹۲ھ
لغات فرس	حکیم ابو المنصور علی بن احمد الاسدی	گوٹنگن	سنہ
محبوب الالباب	مولوی خدابخش خاں	حیدرآباد	۱۳۱۲ھ
المعجم فی معائیر اشعار العجم	علامہ شمس الدین القیسی	لیڈن	۱۹۰۳ء

کتب انگریزی۔ فرانسیسی و جرمنی وغیرہ

Brockelmann. C.

Geschichte d Arab. Litteratur.

Horn. P.

Geschichte d. Persischen Litteratur

Browne. F G.

Literary History of Persia.

Elliot. F

History of India

Rieu. G

Catalogue of the Persian Manuscripts in the British Museum

Ethe. H

Catalogue of the Persian Manuseripts in the

India Office Library

Sachau. E

Chronology of Ancient Nationos

The Encyelopaedia of Islam

Jurnal of the Royal Asiatic Society

Jurnal of the Asialic Society of Bingal

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

مقدمہ

فتوحاتِ اسلام۔ وسط ایشیا میں خود مختار سلطنتوں کی ابتدا۔ آل طاہر۔
آل صفار۔ آل سامان۔ آل زیا۔ الپ تگین۔ آل سبکتگین سلاطین آل سبکتگین
آل سبکتگین کے عہد میں وسط ایشیا کی علمی حالت۔ آل سبکتگین کا مذاق علمی سلطنت
آل سبکتگین کے علمی مرکز۔ فارسی شاعری

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات (۱۱ھ ۶۳۲ء) تک اسلامی حکومت عربستان کے کل جزیرہ نما میں پھیل گئی تھی حضرت ابوبکر صدیق (۱۱ھ ۶۳۲ء تا ۱۳ھ ۶۳۴ء) کے عہد خلافت میں پیروان اسلام نے عرب سے باہر قدم رکھا۔ چالیس سال کے اندر اندر ایران و خراسان کو فتح کر کے دریائے سیلاب تک پہونچ گئے۔ مغرب میں مسلمانوں نے پہلے پہل مصر میں قدم رکھا۔ پھر بحر ابیض کے کنارے کنارے بربر و کارتیج کو فتح کرتے ہوئے ۹۱ھ ۷۰۹ء تک ہسپانیہ میں پہونچ گئے۔ قرن اولیٰ کے ختم ہونے سے پہلے بحر اوقیانوس سے دیوار چین تک دنیا کا دو ثلث رقبہ مسلمانوں کے حیطہ

اقتدار میں آگیا۔

خلفائے عباسیہ (۱۳۲ھ/۷۵۴ء تا ۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء) کے اوائل عہد میں اس عظیم الشان سلطنت کو انحطاط شروع ہوا اور دور دراز کے علاقے خلفا کے اثر و اقتدار سے آزاد ہونے لگے۔ مغرب سے اس کی ابتدا ہوئی۔ عبد الرحمن اموی (۱۳۸ھ/۷۵۶ء تا ۱۷۲ھ/۷۸۸ء) نے ۱۳۸ھ/۷۵۶ء میں ہسپانیہ میں علم استقلال بلند کیا۔ اس کے بعد مصر اور شمالی افریقہ میں بنی اغلب (۱۸۴ھ/۸۰۰ء تا ۲۹۶ھ/۹۰۹ء) اور بنی طولون (۲۵۴ھ/۸۶۸ء تا ۲۹۲ھ/۹۰۵ء) کے خود مختار خاندان قائم ہوئے۔ خلیفہ مامون (۱۹۸ھ/۸۱۳ء تا ۲۱۸ھ/۸۳۳ء) کے زمانہ سے مشرق میں خود مختار حکومتوں کا آغاز ہوا۔ مامون نے اپنے صاحب الجیش طاہر ذوالیمین کو خراسان کا والی مقرر کیا تو اس نے اپنی قوت و اقتدار کو بڑھا کر طوقِ اطاعت سے آزاد ہونے کی کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلفائے بغداد نے خراسان کی حکومت کو اس کے خاندان میں موروثی تسلیم کر لیا۔ اسی زمانہ میں خلفا کی کمزوری سے دیگر والیانِ ملک نے بھی فائدہ اٹھایا۔ بحر اخضر کے نیچے دیلم و گیلان میں سادات علوی آزاد ہو گئے۔ سجستان و نیمروز میں یعقوب بن لیث بن صفار کا ظہور ہوا۔ اور تھوڑی ہی مدت میں اس نے آل طاہر کو خراسان سے بیدخل کر کے ہرات سے شیراز تک تمام ایران پر قبضہ کر لیا اور ایسی قوت پیدا کی کہ خلفائے بغداد بھی اس سے ہراساں ہونے لگے۔

تیسری صدی کے اخیر ایام میں آل سامان نے میدان ترقی میں قدم رکھا۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ اسد بن سامان کے چار لڑکے مامون کے زمانہ میں ماوراء النہر کے مختلف علاقوں پر گورنر مقرر ہو گئے تھے۔ ان میں نوح بن اسد جو سمرقند کا والی تھا بہت ہوشیار اور اولو العزم آدمی تھا۔ اس نے نہ صرف اپنے علاقہ کا انتظام کیا بلکہ دوسرے بھائی احمد بن اسد سے فرغانہ کو لے کر ترکستان میں کاشغر تک اپنی حکومت کو وسیع کر دیا۔ نوح کے ان ابتدائی فتوحات سے ماوراء النہر میں ایک چھوٹی سی حکومت قائم ہو گئی جسے اس کے جانشین اسمٰعیل بن احمد (۲۷۹ھ/۸۹۲ء تا ۲۹۵ھ/۹۰۷ء) نے اپنے زمانہ میں خوب ترقی دی۔ خلیفہ بغداد کی تحریک سے اس نے ۲۸۷ھ/۹۰۰ء میں

صفاریوں (سنہ ۲۵۴ھ/۸۶۸ء تا سنہ ۲۹۰ھ/۹۰۳ء) پر لشکر کشی کی۔ عمرو بن لیث کے گرفتار ہو جانے سے خراسان پر اسکا قبضہ ہوگیا۔ اس کے بعد اس نے طبرستان کے حاکم محمد بن زید علوی کو شکست دے کر اپنا مطیع بنا لیا۔ اسمٰعیل کے یہ فتوحات بڑھتے ہوئے دجلہ تک پہونچ گئے اور ایران و خراسان کا تمام ملک اس کے تصرف میں آگیا۔ لیکن اس وسیع مملکت پر سامانیوں کا قبضہ تھوڑے ہی زمانہ تک قائم رہا۔ آل بویہ (سنہ ۳۲۰ھ/۹۳۲ء تا سنہ ۴۴۷ھ/۱۰۵۵ء) کے ظہور سے عراق اور جنوبی ایران میں ان کی حکومت ختم ہوگئی۔ قریب قریب اسی زمانہ میں الپتگین نے جیحوں کے نیچے سلطنت غزنویہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ ترکستان میں ترکان افراسیابیہ نے عروج پکڑنا شروع کیا۔ ان جدید حکومتوں کی بڑھتی ہوئی قوت نے سامانیوں کی طاقت مسدود کر دی۔ اخیر کے دونوں خاندان اگرچہ سامانیوں کے مطیع اور زیر فرمان تھے، لیکن ان کے ضعف و انحطاط سے برابر فائدہ حاصل کرتے رہے یہاں تک کہ ایلک خاں (سنہ ۳۸۳ھ/۹۹۳ء سنہ ۴۰۳ھ/۱۰۱۲ء) نے سنہ ۳۸۹ھ/۹۹۹ء میں بخارا پر قبضہ کر لیا۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد سلطنت سامانیہ کا خاتمہ ہوگیا۔

آل سامان کے دربار میں کثرت سے ترکی غلام تھے اور ان بادشاہوں نے انھیں سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر مامور کیا تھا۔ ان غلاموں میں ایک بنام الپتگین تھا۔ عبد الملک بن نوح (سنہ ۳۴۳ھ/۹۵۴ء سنہ ۳۵۰ھ/۹۶۱ء) نے اسے سنہ ۳۴۶ھ/۹۵۷ء میں ہرات کا گورنر مقرر کیا۔ لیکن کسی وجہ سے سنہ ۳۵۰ھ/۹۶۱ء میں معزول کر کے یہ خدمت ابو الحسن بن علی سیمجور کو تفویض کر دی۔ الپتگین اپنی معزولی سے ناراض ہوکر افغانستان میں چلا آیا اور غزنین کو صدر مقام قرار دیکر چھوٹی سی حکومت قائم کر لی سنہ ۳۵۲ھ/۹۶۳ء یا سنہ ۳۵۴ھ/۹۶۴ء میں الپتگین کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا ابو اسحٰق اور اس کے بعد دو ترکی غلام بلک تگین اور پیری یکے بعد دیگرے چودہ سال تک غزنین میں حکومت کرتے رہے۔ ۲۷ شعبان سنہ ۳۶۶ھ/۹۷۶ء کو نوح بن منصور (سنہ ۳۶۶ھ/۹۷۶ء سنہ ۳۸۷ھ/۹۹۷ء) کے ایما سے پیری نے حکومت غزنین سبکتگین کے حوالہ کر دی۔ اس تاریخ سے سلطنت آل سبکتگین کی بنیاد پڑی ہے۔

امیر ناصر الدین سبکتگین جب برسرِ حکومت ہوا تو اس کے قبضہ میں بہت تھوڑا ملک آیا۔ لیکن اس نے اپنی قوت کو بڑھا کر مقبوضات میں وسعت دینا شروع کیا۔ پنجاب کے ہندوؤں کو شکست دے کر پشاور پر قبضہ کر لیا۔ شمال میں بڑھتا ہوا خراسان تک چلا گیا۔ ۳۸۳ھ/۹۹۳ء میں ابو علی سیجور نے ماوراء النہر میں بغاوت کی اور امیر نوح بن منصور سے اس کی مدافعت نہ ہو سکی تو نوح بن منصور نے سبکتگین سے مدد چاہی۔ سبکتگین کی حسن لیاقت سے جب بغاوت فرو ہو گئی تو نوح بن منصور نے خوش ہو کر افغانستان کی حکومت کے ساتھ خراسان کی حکومت بھی اس کو تفویض کر دی اور اس کے لڑکے امیر محمود کو سیف الدولہ کا خطاب دے کر یہاں کا سپہ سالار مقرر کیا۔ سبکتگین اس مہم سے واپس آ رہا تھا کہ راستہ میں بمقام ترمذ ۳۸۷ھ/۹۹۷ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔

سبکتگین کے بعد اس کا لڑکا اسمٰعیل برسرِ حکومت ہوا۔ لیکن محمود نے اُسے معزول کر کے زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی اس وقت سلطنت سامانیہ تباہی کے قریب ہو گئی تھی نوح بن منصور (۳۶۶ھ/۹۷۶ء تا ۳۸۷ھ/۹۹۷ء) کے مرنے سے ماتحت حکام کو خوب اقتدار حاصل ہو گیا تھا جنوب میں محمود کی اور شمال میں ایلک خاں کی قوت روز بروز بڑھ رہی تھی۔ عبدالملک بن نوح ۳۸۹ھ/۹۹۹ء ایلک خاں کے مقابلہ میں کئی بار ہزیمت اُٹھا کر ۱۰ ذوالقعدہ ۳۸۹ھ/۹۹۹ء کو گرفتار ہو گیا تو اس پر وسط ایشیا کی اس عظیم الشان سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ مملکت سامانیہ کو محمود اور ایلک خاں نے باہم تقسیم کر لیا۔ دریائے جیحوں دونوں کا حد فاصل قرار پایا۔ شمالی ملک جس سے ماوراء النہر مراد ہے ایلک خاں نے لے لیا اور جنوبی علاقہ جس میں خراسان و افغانستان شامل ہیں سلطان محمود کی سلطنت میں داخل ہو گیا۔

سلطان محمود نے ۳۹۳ھ/۱۰۱۲ء سے ۴۱۸ھ/۱۰۲۶ء تک قریباً بائیس سال کے عرصہ میں ہندوستان پر بارہ حملے کئے جن کے حالات مورخ محمد قاسم فرشتہ نے تفصیل وار تحریر کئے ہیں۔ ان حملوں کی وجہ سے اس کی حکومت جنوب میں بتدریج وسیع ہوتی گئی۔ کشمیر و پنجاب کی فتح کے بعد ۴۰۹ھ/۱۰۱۸ء میں قنوج

و متھرا اس کے قبضہ میں آئے سنہ ۴۱۳ھ ۱۰۲۲ء میں کالنجر کے راجہ کو مطیع بنایا سنہ ۴۱۸ھ ۱۰۲۷ء میں گجرات پر لشکر کشی کر کے سومنات کو تاخت و تاراج کیا۔ ہندوستان کے علاوہ محمود نے شمال میں جو فتوحات حاصل کئے ہیں اُن کی تفصیل کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ اس نے ایلک خان کو شکست دی بعد ازاں سنہ ۴۰۱ھ ۱۰۱۰ء غور کو سنہ ۴۰۷ھ ۱۰۱۶ء میں خوارزم کو سنہ ۴۱۷ھ ۱۰۲۶ء میں مرغاب کو فتح کیا۔ اسی سال ماوراء النہر کا ایک وسیع علاقہ جس میں سمرقند و بخارا واقع ہیں سلطنت غزنویہ میں شامل ہوگیا سنہ ۴۱۸ھ ۱۰۲۷ء میں آل سلجوق نے اطاعت قبول کی سنہ ۴۲۰ھ ۱۰۲۹ء میں آل بویہ نے ہزیمت اُٹھا کر اصفہان کا تخلیہ کر دیا۔

محمود نے ۳۱ سال حکومت کی اس مدت میں اس کی سلطنت سیحون سے خلیج فارس اور بحر اخضر سے دریائے جنجس تک پھیل گئی تہی۔ لیکن اس کو جس قدر جلد ترقی ہوئی تھی اُسی قدر جلد تنزل و انحطاط ہوگیا۔ محمود کے بعد سلجوقیوں نے خوب زور پکڑا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ایران و ماوراء النہر کے کئی صوبے بلخ، خوارزم، اصفہان رے وغیرہ مسعود سے چھین لئے۔ علاء الدین غوری نے بہرام شاہ کے زمانہ میں جب غزنیں کو فتح کرلیا تو سلاطین غزنویہ نے لاہور میں اپنا دارالسلطنت منتقل کر دیا اور اُن کی حکومت صرف شمالی ہندوستان میں باقی رہ گئی لیکن شاہان غور کی دست برد سے پنجاب بھی باقی نہیں رہا۔ سنہ ۵۵۲ھ ۱۱۵۷ء میں یہ لوگ دریائے چناب تک چلے آئے اس کے بعد سنہ ۵۸۲ھ ۱۱۸۶ء میں لاہور پر یورش کر کے خسرو ملک کو گرفتار کرلیا اور اس پر سلطنت آل سبکتگین کا خاتمہ ہوگیا۔

سلاطین آل سبکتگین

سنہ ۳۶۶ھ سنہ ۹۷۶ء — سنہ ۵۸۲ھ سنہ ۱۱۸۶ء

۱۔ امیر ناصر الدین سبکتگین .. .. .. سنہ ۳۶۶ھ سنہ ۹۷۶ء

۲۔ امیر اسمٰعیل بن سبکتگین .. .. .. سنہ ۳۸۷ھ سنہ ۹۹۷ء

۳۔ یمین الدولہ محمود بن سبکتگین " " " " سنہ ۳۸۸ھ سنہ ۹۹۸ء

۴۔ عماد الدولہ محمد بن محمود " " " سنہ ۴۲۱ھ سنہ ۱۰۳۰ء

۵۔ نصیر الدولہ مسعود بن محمود " " " سنہ ۴۲۱ھ سنہ ۱۰۳۰ء

محمد بن محمود " " " " (مکرر) سنہ ۴۳۲ھ سنہ ۱۰۴۰ء

۶۔ شہاب الدولہ مودود بن مسعود " " سنہ ۴۳۲ھ سنہ ۱۰۴۰ء

۷۔ مسعود بن مودود (شیرخوار) " " سنہ ۴۴۰ھ سنہ ۱۰۴۸ء

۸۔ بہاء الدولہ علی بن مسعود " " " سنہ ۴۴۰ھ سنہ ۱۰۴۸ء

۹۔ عز الدولہ عبد الرشید بن مسعود " " سنہ ۴۴۰ھ سنہ ۱۰۴۸ء

طغرل غاصب " " " سنہ ۴۴۴ھ سنہ ۱۰۵۲ء

۱۰۔ جمال الدولہ فرخ زاد بن مسعود " " " سنہ ۴۴۴ھ سنہ ۱۰۵۲ء

۱۱۔ رضی الدولہ ابراہیم بن مسعود " " " سنہ ۴۵۱ھ سنہ ۱۰۵۹ء

۱۲۔ علاء الدولہ مسعود ثانی بن ابراہیم " " " سنہ ۴۹۲ھ سنہ ۱۰۹۸ء

۱۳۔ عضد الدولہ شیرزاد بن مسعود " " " سنہ ۵۰۸ھ سنہ ۱۱۱۴ء

۱۴۔ سلطان الدولہ ارسلان بن مسعود " " " سنہ ۵۰۹ھ سنہ ۱۱۱۵ء

۱۵۔ معز الدولہ بہرام بن مسعود " " " سنہ ۵۱۲ھ سنہ ۱۱۱۸ء

۱۶۔ سراج الدولہ خسرو بن بہرام " " " سنہ ۵۴۷ھ سنہ ۱۱۵۲ء

۱۷۔ تاج الدولہ خسرو ملک بن خسرو سنہ ۵۵۵ھ " " سنہ ۵۸۲ھ سنہ ۱۱۸۶ء

شجرۂ نسب

(۱) سبکتگین

(۲) اسمٰعیل — (۳) محمود — یوسف — نصر

یوسف: سلیمان

نصر: سپہ سالار خراسان

(۳) محمود:
(۴) محمد — (۵) مسعود

(۵) مسعود:
(۶) مودود — (۸) علی — (۹) عبدالرشید — (۱۰) فرخ زاد — (۱۱) ابراہیم — مجدود

(۷) مسعود ثانی

مجدود: گورنر ہندوستان

(۱۱) ابراہیم:
(۱۲) مسعود ثالث — سیف الدولہ محمود

سیف الدولہ محمود: گورنر ہندوستان

(۱۲) مسعود ثالث:
(۱۳) شیرزاد — (۱۴) ارسلان — (۱۵) بہرام

(۱۶) خسرو

(۱۷) خسرو ملک

جس زمانہ میں آل سبکتگین کا ظہور رہوا ہے، وسط ایشیا میں آفتاب علم وفن اوج کمال پر پہونچا ہوا تھا۔ قریب قریب اسی زمانہ میں امام بخاری، امام مسلم، ابونصر فارابی، بوعلی سینا، امام رازی، ابوالفضل جوہری وغیرہ اسی سرزمین کی مردم خیز بستیوں میں پیدا ہوئے تھے۔ وسط ایشیا میں اس وقت جو حکومتیں قائم تھیں ان سب کے حکمران عموماً صاحب علم وفن اور علوم وفنون کے مربی وسرپرست تھے ان حکومتوں میں ماوراءالنہر کے سامانی حکمران سب سے زیادہ طاقت ور اور ذی اثر تھے۔ علمی سرپرستی کے لحاظ سے بھی ان کا پایہ بڑھا ہوا تھا۔ اس خاندان کا تیسرا فرمانروا نصر بن احمد ۳۰۱ھ/۹۱۴

۳۳۱ھ ۹۴۲ء) بڑا فیاض اور ہنر پرور بادشاہ ہوا ہے۔ استاد ابوالحسن رودکی جس کو فارسی شاعری کا ابوالآبا کہتے ہیں اس کے دربار میں ملک الشعرا کے عہدے پر مامور تھا۔ بادشاہ کی فرمائش سے اس نے کلیلہ دمنہ کے حکایات فارسی میں نظم کئے تھے[1] اور اس کے صلہ میں چالیس ہزار درہم کا عطیہ ملا تھا عنصری اپنے ایک قصیدہ میں لکھتا ہے ؎

چہل ہزار درم رودکی زمہتر خویش　　　عطا گرفت بہ نظم کلیلہ در کشور

نوح بن نصر (۳۳۱ھ ۹۴۳ء ۳۴۳ھ ۹۵۴ء) نے دارالسلطنت بخارا میں ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا تھا جس میں نادر و نایاب کتابیں جمع تھیں بوعلی سینا نے اس کتاب خانہ کو دیکھا تھا اُس کا بیان ہے کہ:-

"اس میں قدما کی اکثر تصنیفات ایسی موجود ہیں کہ جن کے نام بھی کسی کو معلوم نہیں تھے اور خود میں نے بھی اُنھیں آج تک نہیں دیکھا تھا"[2]

نوح بن نصر کو علوم فلسفہ سے خاص دلچسپی تھی۔ خلفائے بغداد کے زمانہ میں فلسفہ یونان کی جو کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئی تھیں اُن میں کثرت سے غلطیاں موجود تھیں بادشاہ کی فرمائش سے ابونصر فارابی نے ان تمام ترجموں کو صحیح و درست کیا اور ان کی مدد سے ایک ضخیم کتاب لکھی جس میں فلسفۂ یونان کے تمام مسائل جمع کئے اور اُس کا نام تعلیم ثانی رکھا۔ اسی کتاب کی بدولت اس کا لقب معلم ثانی مشہور ہوا ہے[3]

---

[1] شاہنامہ جلد چہارم صفحہ ۲۵۔ دولت شاہ سمرقندی صفحہ ۱۔ [2] ابن خلکان۔ ترجمہ بوعلی سینا۔

[3] طاشکبری زادہ نے مفتاح السعادہ (جلد اصفحہ ۲۴۴) میں اور اسکی پیروی میں حاجی خلیفہ نے کشف الظنون (باب الحکمہ) میں اس واقعہ کو منصور بن نوح کے عہد سے منسوب کیا ہے لیکن یہ صریح غلطی ہے۔ اس لئے کہ فارابی نے ۳۳۹ھ ۹۵۰ء میں انتقال کیا (مفتاح السعادۃ جلد ا صفحہ ۲۶۰) اور منصور اس کی وفات کے گیارہ سال بعد ماہ شوال ۳۵۰ھ ۹۶۱ء میں بر سر حکومت ہوا (عتبی ترجمہ اُردو صفحہ ۲۰)

نوح بن نصر کے دو جانشین منصور بن نوح (۳۵۰ھ تا ۳۶۶ھ) اور نوح بن منصور (۳۶۶ھ تا ۳۸۷ھ) بھی علمی دنیا میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ منصور بن نوح نے عربی سے فارسی میں کئی کتابیں ترجمہ کرائی ہیں۔ ایران کے جو مسلمان عربی سے نابلد تھے اُن کے لئے قرآن مجید کے سمجھنے کا کوئی ذریعہ موجود نہیں تھا۔ اس ضرورت کو محسوس کرکے منصور نے سمرقند، اسبیجاب، فرغانہ سے علمائے وقت کو طلب کیا اور اُن سے امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری کی تفسیر کبیر کا ترجمہ کرایا[1]۔ اسی زمانہ میں اس کے وزیر ابوعلی محمد بن محمد بلعمی نے امام طبری کی دوسری تصنیف تاریخ کبیر کا ترجمہ کیا[2]۔ اسی منصور بن نوح کے زمانہ میں امیر ابوالمنصور بن عبدالرزاق طوس کا گورنر تھا۔ اس کو تاریخ عجم سے خاص دلچسپی تھی۔ ہرات سیستان، نیشاپور، اور طوس کے چار موبدان مجوس کو جمع کرکے اُن سے ~~خدائی نامہ کا پہلوی سے فارسی میں ترجمہ کرایا~~ اور اس کا نام شاہنامہ رکھا[3]۔

مشہور شاعر منصور بن احمد دقیقی نوح بن منصور کا درباری شاعر تھا اور بادشاہ کی فرمائش سے اس نے تاریخ عجم کو نظم میں لکھنا شروع کیا تھا۔ لیکن اُس کی بے وقت وفات سے یہ کام ادھورا رہ گیا جس کو فردوسی نے اختتام کو پہونچایا۔

آل وشمگیر کو بھی علمی دنیا میں غیر معمولی شہرت حاصل ہے۔ یہ خاندان طبرستان میں حکمراں تھا۔ شمس المعالی امیر قابوس بن وشمگیر (۳۶۶ھ تا ۴۰۳ھ) جو سلطان محمود کا معاصر ہے بلند پایہ عالم گزرا ہے۔ عربی فارسی میں شعر خوب کہا کرتا تھا۔ خطاطی میں بھی اسے کمال حاصل تھا۔ وزیر صاحب عباد نے جب اس کے نوشتہ کو دیکھا تو ان الفاظ میں اُس کی تعریف کی "ھذا خط قابوس ام جناح الطاؤس"[4]۔ امام ابوسہیل صعلوکی نے جو خراسان کے قاضی القضات تھے اس کی مدح میں متعدد تصنیفات لکھی ہیں[5]۔ ابوریحان البیرونی سلطان محمود کے دربار میں آنے سے پہلے عرصہ تک امیر قابوس کے دربار میں

[1] اس کا ایک نہایت نفیس قلمی نسخہ فرانس کے کتب خانہ ملی میں موجود ہے (دیباچہ مرزبان نامہ صفحہ ۹) [2] یہ ترجمہ نول کشور پریس لکھنؤ میں ۱۹۱۳ء میں طبع ہوا ہے اور اس کا فرانسیسی ترجمہ چار جلدوں میں ۱۸۶۷ء میں بمقام پیرس چھپا ہے۔

[3] آثار الباقیہ صفحہ ۹۹ [4] عتبی ترجمہ اُردو صفحہ ۱۲۵ [5] دولت شاہ صفحہ ۱۰

رہا ہے اور اسی زمانہ میں اس نے اپنی تاریخ امم قدیمہ لکھی ہے جس کا نام آثار الباقیہ فی قرون الخالیہ ہے[۱]
فلک المعالی امیر منوچہر بن قابوس (۴۰۳ھ/۱۰۱۲ء تا ۴۲۰ھ/۱۰۲۹ء) کو شعر و سخن سے خاص شغف تھا اور منوچہری
دامغانی نے اسی کے دربار میں تربیت حاصل کی تھی[۲]

آل مامون کے محاسن و مآثر سے ادب و تاریخ کی کتابیں مالامال ہیں۔ یہ خاندان خوارزم
میں حکمراں تھا اکثر مورخین نے اس کا نام خوارزم شاہیان قدیم لکھا ہے۔ علی بن مامون بن محمد خوارزم
شاہ کے زمانہ میں بوعلی سینا خوارزم میں آیا تھا۔ اور بادشاہ نے اس کی نہایت قدردانی کی تھی۔
ابو الحسین السہیلی جو مشہور فقیہ و ادیب ہے، اس کا اور اس کے بھائی ابو العباس مامون بن خوارزم
شاہ کا وزیر تھا۔ ابو العباس اس خاندان میں سب سے زیادہ علم دوست اور ہنر پرور بادشاہ ہوا ہے
ابو الخیر خمار۔ ابوریحان البیرونی۔ بوعلی سینا وغیرہ جن کا شمار اسلام کے حکمائے اولین میں ہوتا ہے
یہ سب اس کے دربار میں جمع تھے[۳] اس کے نام پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ امام ابو المنصور
ثعلبی نے بھی ایک کتاب الطوایف و الظرایف کو اس کے نام سے نامزد کیا ہے[۴]۔

سجستان و نیمروز میں سلطان محمود کے وقت خلف بانو بن احمد کی حکومت تھی اس کا سلسلہ
سلاطین آل صفار سے ملتا ہے۔ خلف بانو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا علم دوست بادشاہ ہوا ہے۔ اسکی
قدردانی سے اطراف و اکناف کے اہل کمال دربار سجستان میں جمع ہو گئے تھے۔ شعرائے عرب کی کثیر
جماعت اس کے دربار میں موجود تھی۔ مشہور ادیب بدیع الزماں ہمدانی اس کا ندیم خاص تھا۔ ابو الفتح
بستی نے اس کی مدح میں تین شعر موزوں کئے تو صلہ میں تین سو دینار سرخ عطا کئے تھے۔ اس عہد کے
بڑے بڑے علماء کو جمع کر کے اُس نے قرآن مجید کی ایک ایسی تفسیر لکھوائی تھی کہ اس میں صرف
و نحو حدیث فقہ کلام کے جمیع مسائل درج تھے۔ اُس کی تالیف میں تیس ہزار دینار سرخ کا صرفہ

---

۱ بروکلمن جلد ا صفحہ ۲۴۱ ۲ دولت شاہ صفحہ ۶

۳ چہار مقالہ صفحہ ۹۶ ۴ بروکلمن جلد ا صفحہ ۲۸۶

ہوا تھا۔ مورخ عتبی نے نیشاپور کے کتب خانہ صابونی میں اس تفسیر کا ایک نسخہ بچشم خود دیکھا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ یہ کتاب اس قدر کبیر الحجم ہے کہ ایک کاتب تمام عمر اگر اس کو لکھتا رہے تب بھی تمام کتاب کا نقل ہونا محال ہے[1]۔ ابو الشرف ناصح نے یمینی کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ یہ تفسیر سنہ ۵۴۵ھ تک نیشاپور میں تھی۔ اس کے بعد اصفہان میں منتقل ہوگئی اور وہاں آل خجند کے کتب خانہ میں محفوظ تھی۔ اور بڑی تقطیع کی ایک سو جلدیں تھیں[2]

اسلام کا نامور حکیم شیخ الرئیس بوعلی سینا (ولادت سنہ ۳۷۳ھ/۹۸۳ء وفات سنہ ۴۲۷ھ/۱۰۳۵ء) اسی زمانہ میں پیدا ہوا اور اسی سرزمین میں عمر بسر کی۔ تحصیل علم سے فراغت پانے کے بعد بخارا میں آیا۔ اور ایک مدت تک نوح بن منصور کے دربار میں رہا۔ اسی زمانہ میں امیر ابو الحسن العروضی کی فرمائش سے کتاب المجموع تصنیف کی جس میں ریاضیات کے سواء فلسفہ کے جملہ علوم مذکور ہیں۔ اس کے بعد نوح بن منصور کے ایما سے پانچ جلدوں میں طبی اصطلاحات کو جمع کیا اور اس کا نام لغات سدید رکھا۔ منصور کی وفات کے بعد بخارا سے نکل کر خوارزم میں آیا اور کچھ عرصہ تک وزیر ابو الحسن السہیلی کے یہاں مقیم رہا۔ اس زمانہ میں علم منطق اور علم کیمیا میں دو کتابیں لکھیں اور ان کو وزیر ابو الحسن کے نام سے موسوم کیا۔ امیر قابوس کے زمانہ میں خوارزم سے طبرستان میں آیا۔ قابوس نے اس کی خوب قدر و منزلت کی۔ اسی زمانہ میں اس نے اپنی مشہور تصنیف کتاب الشفاء کو اٹھارہ مہینہ میں تصنیف کیا۔ علاء الدولہ قابوس کا بھائی تھا۔ اس کی فرمائش سے فارسی میں ایک کتاب لکھی جو حکمت علائیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں فلسفہ کے جملہ علوم درج ہیں۔ قابوس کی وفات کے بعد شیخ ہمدان میں چلا آیا اور آل بویہ کی سرپرستی میں زندگی کا بقیہ حصہ گذار دیا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس زمانہ میں بادشاہ، بادشاہزادے، وزراء امیر سب صاحب فضل و کمال تھے اور وسط ایشیا کے ہر گوشہ میں علمی مذاق پھیلا ہوا تھا۔ حکومت آل سامان کے ختم

---

[1] عتبی ترجمہ اردو صفحہ ۹۲

[2] روضۃ الصفاء جلد ۴ صفحہ ۱۰

ہو جانے سے سلطان محمود کی حکومت خراسان میں پھیل گئی ۳۹۲ھ/۱۰۰۲ء میں سجستان و نیمروز ۴۰۱ھ میں جوزجان ۴۰۸ھ/۱۰۱۷ء میں خوارزم فتح ہوئے اور یہاں کی حکومتیں تباہ ہوگئیں۔ آل وشمگیر آل سلجوق و آل بویہ نے اطاعت قبول کر لی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان محمود کی سلطنت مشرق میں سب سے بڑی تسلیم کر لی گئی۔ اور ان برباد شدہ حکومتوں میں جو ارباب کمال جمع تھے وہ سب آل سبکتگین کے سایۂ عاطفت میں چلے آئے۔

مورخین نے آل سبکتگین کو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا علم دوست اور مربی علم و فن تسلیم کیا ہے۔ اس خاندان کو نشر علوم کا خاص خیال تھا۔ اُس کے عہد کے تمام مشاہیر فضل و کمال اس خاندان کے فیض کرم سے بہرہ ور ہو رہے تھے۔ اشاعت تعلیم کے لئے اس خاندان نے اپنے قلمرو میں سینکڑوں مدارس قایم کئے تھے۔ اور اس بارے میں ایک قابل امتیاز خصوصیت یہ ہے کہ امیر نصر بن سبکتگین نے دنیائے اسلام میں سب سے پہلے مدرسہ تعمیر کرایا تھا۔ اس کے بعد مصر اور بغداد میں مدارس کی بنیاد پڑی ہے۔

آل سبکتگین کی سلطنت میں تین شہر صدر مقام تھے۔ غزنین دار الحکومت تھا۔ نیشاپور میں خراسان کا سپہ سالار اور لاہور میں ہندوستان کے گورنر رہا کرتے تھے۔ یہ تینوں مقام اپنے زمانہ عروج میں علم و فن کے مرکز تھے۔ نیشاپور کی علمی حالت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ دنیائے اسلام میں سب سے پہلے نیشاپور میں مدرسہ قایم ہوا ہے۔ غزنویوں کے زمانہ میں نیشاپور میں کئی مدرسے جاری تھے۔ نصر بن سبکتگین کا مدرسہ سعیدیہ، امام ابن فورک کا مدرسہ نصریہ، امام ابوالقاسم کا مدرسہ بیہقیہ وغیرہ۔ یہ مدرسے اس قدر وسیع پیمانہ پر قایم تھے کہ مورخین نے ان کو "امہات المدارس" کا لقب دیا ہے[۱]۔ طغرل بیگ سلجوقی نے جب نیشاپور فتح کیا تو اس نے بھی یہاں ایک مدرسہ تعمیر کرایا۔ حکیم ناصر خسرو نے اپنے سفرنامہ میں اس کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

---

[۱] الخطط والآثار جلد ۲ صفحہ ۲۶۳۔

"در روز شنبہ یازدہم شوال سنہ سبع و ثلثین وار بعمائۃ وارد نیشاپور
شدم - چہار شنبہ آخر ایں ماہ کسوف بود - و حاکم زمان طغرل بک محمد
بود برادر چغری بک - بنائے مدرسہ فرمودہ بود بنزدیک بازار سراجان
و آں را عمارت می کردند[۱] "

آل سبکتگین کے عہد میں بڑے بڑے ارباب فضل و کمال لاہور میں آکر سکونت پذیر ہو گئے
تھے - ابو الحسن علی بن عثمان الہجویری اور شیخ فخر الدین زنجانی جو مشاہیر مشایخ صوفیہ سے ہیں اسی
زمانہ میں یہاں آئے اور اسی جگہ انتقال فرمایا - ان کے مزارات آج تک زیارت گاہ خاص و
عام ہیں[۲] مسعود سعد سلمان اور ابو الفرج رونی کے خاندان عرصہ سے لاہور میں آباد تھے اور اسی
شہر کے اطراف میں ان کی پیدایش واقع ہوئی تھی - ابو عبد اللہ النکتی اور حمید الدین مسعود بن سعد
شالی کوب لاہور کے باشندے اور فارسی زبان کے بلند پایہ شاعر تھے - پہلا سلطان مسعود کے زمانہ میں
اور دوسرا سلطان شہاب الدین غوری کے عہد میں گزرا ہے[۳] مشہور ادیب ابو منصر فارسی لاہور میں
مدتوں مقیم رہا ہے - زمانہ قیام میں اس نے ایک مدرسہ تعمیر کرایا تھا جو صدیوں قایم رہا اور
اس میں تعلیم جاری تھی[۴]

آل سبکتگین سے پہلے غزنیں کی معمولی حالت تھی - سلطان محمود کے زمانہ میں اس کو وسعت
و رونق حاصل ہوئی ہے - سلطان جب قنوج و متھرا کی مہم سے واپس آیا تو یہاں ایک عالی شان
مسجد تعمیر کرائی اور اس میں ایک مدرسہ بھی قایم کیا - اعیان و امرا نے بھی سلطان کی پیروی کی - تھوڑے ہی
عرصہ میں غزنیں عالیشان عمارتوں اور علمی یادگاروں سے معمور ہو گیا - اور ایشیا کے عظیم الشان شہروں
میں اس کا شمار ہونے لگا[۵] ابن رازی کا بیان ہے کہ سلطان محمود کے زمانہ میں غزنیں کی آبادی

---

[۱] سفر نامہ حکیم ناصر خسرو صفحہ ۳ [۲] مآثر الکرام صفحہ ۲ [۳] عوفی جلد ۲ صفحہ ۷۰ و ۲۱۱
[۴] عوفی جلد ۲ صفحہ ۱ [۵] تاریخ فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۳۴

کئی فرسخ تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی وسعت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس میں بارہ ہزار صرف مساجد و مدارس واقع تھے۔ رفاہ عام کی دیگر عمارات رباطات و خانقاہات وغیرہ کی تعداد ان کے علاوہ تھی[1] غزنین کی یہ رونق بہت کم مدت قایم رہی۔ بہرام شاہ کے زمانہ میں علاء الدین غوری نے جب اُسے فتح کیا تو جلا کر خاک کر دیا اور اسی وجہ سے اس کا لقب "جہاں سوز" مشہور ہو گیا[2]۔ اس کے بعد غزنین کو پھر کبھی عروج حاصل نہیں ہوا۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ نے اسے ساتویں صدی میں دیکھا تھا اُس کا بیان ہے کہ صرف ایک گوشہ میں آبادی ہے باقی ویرانہ ہے[3]۔ اس شہر کی گذشتہ شان و شوکت کو یاد دلانے کے لئے آل سبکتگین کے آثار عتیقہ سے اس وقت صرف دو مینار باقی رہ گئے ہیں۔ جن کو سلطان محمود اور اس کے بیٹے مسعود نے اپنی فتوحات کی یادگاریں تعمیر کرایا تھا[4]۔

آل سبکتگین کے زمانہ میں دیگر علوم و فنون کی بہ نسبت فارسی شاعری کو خوب ترقی ہوئی ہے اُس کی تفصیل کو بیان کرنے سے پیشتر فارسی شاعری کا مختصر حال تحریر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ آئندہ اوراق میں فارسی شاعری اور شعرا کے جو حالات مذکور ہوں گے اُن پر اس تمہید سے نہ صرف روشنی پڑے گی بلکہ فارسی شاعری کا تاریخی سلسلہ مربوط ہو جائے گا۔

عربوں نے جب ایران فتح کیا تو فاتحین کا اثر مفتوح اقوام میں مقناطیسی قوت کی طرح سرایت کر گیا۔ عربی مذہب اور تمدن تمام ملک میں برق و باد کی مانند پھیل گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی زبان اور اس کے علوم و فنون ماند پڑ گئے۔ اور اُس کی عوض عربی زبان اور اسلامی علوم کی تمام ملک میں اشاعت ہو گئی۔ قریباً دو سو سال تک یہی کیفیت رہی۔ خلفائے بنی عباس کو جب زوال شروع ہوا اور ایرانی حکام کی بہت سی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قایم ہو گئیں۔ تو اُن کی توجہ سے فارسی زبان میں از سر نو حس و حرکت پیدا ہوئی اور ان خاندانوں کے سایۂ عاطفت میں

[1] ہفت اقلیم
[2] چہار مقالہ صفحہ ۹
[3] ابن بطوطہ صفحہ ۳
[4] رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال جلد ۲، حصہ اول صفحہ ۷۶، ۷۷

اُس کو نشو و نما ہونے لگا۔

فارسی شاعری جو اسلام سے پہلے ایران میں رائج تھی عربی فتوحات کے زمانہ میں اس طرح مٹ گئی کہ اِس وقت نہ تو اُس عہد کے کسی شاعر کا نام ملتا ہے اور نہ دو چار بیت دستیاب ہوتے ہیں۔ موجودہ شاعری کی ابتدا تیسری صدی میں ہوئی ہے۔ کہتے ہیں کہ مامون الرشید جب خراسان میں مقیم تھا تو عباس مروزی نے اس کی مدح میں ایک فارسی قصیدہ لکھا جس کے صلہ میں مامون نے اسے ہزار دینار سرخ عطا کئے۔ اور ہزار درہم سالانہ اس کی تنخواہ مقرر کر دی۔ محمد عوفی کا بیان ہے کہ عہد اسلام میں یہ سب سے پہلا کلام ہے جو فارسی میں موزوں ہوا۔ اس کے بعد تھوڑی مدت تک کسی نے بھی فارسی شاعری کی طرف توجہ نہیں کی یہاں تک کہ طاہر ذوالیمین نے اپنی خود مختار حکومت خراسان میں قایم کر لی۔ یہ خاندان اور اس کے جانشین آل صفار ایسی سرزمین میں حکمراں تھے جہاں کی زبان فارسی تھی۔ اور اسی بنیاد پر ان کے درباروں میں بہت سے فارسی شعراء پیدا ہو گئے۔ ان میں حنظلہ، فیروز مشرقی، محمود وراق اور منجیک چنگزن بہت مشہور ہیں۔

حنظلہ بادغیس کا باشندہ تھا ۲۱۹ھ ۸۳۴ء میں فوت ہوا ہے[1] فیروز کے آباؤ اجداد یمن کے رہنے والے تھے[2] محمود وراق محمد بن طاہر کے زمانہ میں گزرا ہے[3] منجیک چنگزن جس کا نام ابوالحسن علی بن محمد ترمذی ہے ملوک صفاریہ کا درباری شاعر تھا۔ احمد صفاری کی مدح میں اُس نے جو قصائد لکھے ہیں وہ مجمع الفصحا میں درج ہیں۔ صفاریوں کی تباہی کے بعد اُمرائے چغانیاں کے دربار میں توسل پیدا کیا اور مدت تک طاہر بن حسین چغانی کا ندیم خاص رہا ہے[4]

اس وقت تک شاعری کی حالت طفل شیر خوار کے مانند تھی۔ جب سامانیوں کا زمانہ آیا تو اس نے عہد شباب میں قدم رکھا۔ ملوک سامانیہ نسلاً ایرانی تھے بہرام چوبین سے اُن کا سلسلہ

---

[1] مجمع الفصحا جلد ۱ ص ۱۹۹ [2] مجمع الفصحا جلد ۱ ص ۳۸۱

[3] مجمع الفصحا جلد ۱ ص ۵۰۵ [4] مجمع الفصحا جلد ۱ ص ۵۰۶

لگتا تھا۔ فارسی ان کی مادری زبان تھی حکومت جب ان کے ہاتھ میں آئی تو انھوں نے فارسی کو ترقی دینے میں شاہانہ فیاضی سے کام لیا۔ بڑے بڑے شعرا دربار میں جمع کئے اور ان کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں۔ ہزارہا روپیہ صرف کر کے فارسی میں کتابیں لکھوائیں جس کا مختصر تذکرہ اوپر گزر چکا ہے۔ سامانیوں کے دربار میں اگرچہ سینکڑوں شعرا موجود تھے۔ لیکن ان میں جن کو خصوصیت حاصل تھی ان کے نام نظامی عروضی سمرقندی نے حسب ذیل لکھے ہیں[۱]

ابوالعباس۔ ابوالمثل۔ ابوالاسحاق۔ ابوشکور بلخی۔ جوئباری۔ ابوالحسن۔ جنازی نیشاپوری۔ شہید بلخی۔ ابوالموئید۔ ابوعبداللہ فرالادی۔ رودکی۔ دقیقی۔ رابعہ فرداری۔ ابوذر۔ معمر جرجانی ابوالمظفر نصر بن محمد نیشاپوری۔ عمارہ مروزی۔ طخاوی۔ مرادی۔

ان میں سے اکثر شعرا کے حالات اور کلام دونوں مفقود ہو گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں شہید اور مرادی قدیم شاعر ہیں۔ رودکی نے ان کا مرثیہ بھی لکھا ہے جو مجمع الفصحا میں منقول ہے۔[۲] ابوشکور بلخی اور جنازی نیشاپوری دونوں معاصر ہیں۔ نوح بن نصر بن احمد سامانی (۳۳۱ھ/۹۴۲ء - ۳۴۳ھ/۹۵۴ء) کے زمانہ میں گزرے ہیں پہلے کا ۳۳۶ھ/۹۴۷ء میں اور دوسرے کا ۳۴۲ھ/۹۵۳ء میں انتقال ہوا ہے[۲] ابوالموئید بلخ کا باشندہ تھا۔ اس نے حکایات یوسف زلیخا کو سب سے پہلے نظم کیا ہے[۳] سوائے اس کے اس نے ملوک عجم کی ایک تاریخ بھی لکھی ہے جس کا نام شاہنامہ ہے اور اس میں ایران قدیم کے حالات بکمال تفصیل کے ساتھ تحریر کئے ہیں۔ عنصر المعالی کیکاؤس بن اسکندر بن وشمگیر نے قابوس نامہ میں اس کا ذکر کیا ہے[۴]

سامانی شعرا میں رودکی اور دقیقی کو نہایت شہرت ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ انھیں کی وجہ سے سامانیوں کا نام زندہ جاوید ہو گیا ہے۔ ابوعبداللہ جعفر رودکی سمرقند کے قریہ رودک کا باشندہ

---

[۱] چہار مقالہ ص ۲۵ — [۲] مجمع الفصحا جلد ۱

[۳] مثنوی یوسف زلیخا فردوسی طبع یورپ — [۴] قابوس نامہ طبع طہران

اور نصر بن احمد سامانی کے دربار کا ملک الشعراء تھا۔ تمام تذکرہ نویس اس کو فارسی شاعری کا بانی اول اور شعراء کا ابو الآباء کہتے ہیں۔ سب سے پہلے اس نے اپنے دیوان کو مرتب و مدون کیا ہے اُس کا دیوان ایران میں چھپ گیا ہے اور اس میں تمام اصناف سخن مثلاً قصیدہ، غزل، قطعہ، رباعی، مرثیہ وغیرہ موجود ہیں۔ نصر بن احمد کی فرمایش سے اس نے کلیلہ و دمنہ کی حکایات بھی نظم کی تھیں۔ لیکن مدت ہوئی کہ یہ کتاب زمانہ کے ناقدر ہاتھوں سے برباد ہو گئی ہے۔ اور اس وقت اس کے صرف دس بارہ شعر ملتے ہیں جن کو حکیم اسدی طوسی نے اپنی لغات میں بطور شواہد کے نقل کیا ہے سنہ ۳۰۶ھ ؁۹۱۸ء میں اس نے وفات پائی[1]

ابو المنصور محمد بن احمد الدقیقی مروقند کا باشندہ ہے۔ مدت تک امرائے چغانیاں کے دربار میں رہا۔ امیر نصر بن احمد سامانی (۳۰۱ھ ؁۹۱۴ء سنہ ۳۳۱ھ ؁۹۴۲ء) جب تخت نشین ہوا تو دقیقی چغانیاں سے بخارا میں آیا۔ وزیر ابوالفضل بلعمی (سنہ ۳۲۹ھ) نے جب اس کے کمالات کو دیکھا تو تاریخ ملوک عجم کو نظم کرنے کی خدمت اس کے سپرد کی اس واقعہ کے بعد دقیقی بہت کم مدت زندہ رہا سنہ ۳۴۱ھ ؁۹۵۲ء میں اس کے ایک غلام نے اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

سامانیوں کے بعد غزنویوں کا دور آتا ہے۔ اِن کے عہد میں فارسی شاعری انتہائے شباب پر پہونچ گئی تھی۔ سینکڑوں شاعران کے فیضان کرم سے بہرور ہوتے تھے۔ اور سرپرستی اور فیاضی کے بدولت شاعری کو بے انتہا وسعت حاصل ہو گئی۔ اور اس قدر ادبی ذخیرہ فراہم ہوا کہ اس کی تفصیل بیان کی جائے تو اس کے لئے ایک طومار کی ضرورت ہے۔ مجمع الفصحا میں لکھا ہے[2]

"چوں نوبت دولت ملوک آل ناصر و غزنویہ بلند آوازہ آمد سلطان محمود بن ناصر الدین سبکتگین در تربیت شعراء کوشیدہ و بہ تکمیل مستعدان عہد جہد کرد

---

[1] انساب سمعانی ص ۲۶۲
[2] مجمع الفصحا جلد اول دیباچہ صفحہ ۲۔

چناں کہ ثروت حکیم ابو القاسم عنصری از دولت عبداللہ الرودکی
درگزشت و چہار صدتن شاعر ماہر قادر درآن والا دولت تربیت یافتند
و وے ملک الشعراء، بالاستقلال والاستحقاق ہمہ بود۔ و پس از سلطان محمود
نیز فرزندان وے ہمی رامربی و مشوق بودند"

نظامی عروضی سمرقندی نے شعرار آل سبکتگین کی یہ تفصیل بیان کی ہے۔ عنصری، عسجدی، فرخی، بہرامی۔ زینتی۔ بزرجمہر قائینی۔ مظفری۔ منشوری۔ منوچہری۔ مسعودی۔ قصارامی۔ ابو حنیفہ اسکاف، راشدی۔ ابوالفرج رونی۔ محمد ناصر۔ مسعود سعد سلمان۔ شاہ ابورجا۔ احمد خلف۔ عثمان مختاری۔ مجدود السنائی۔

ان کے حالات ہم آیندہ اوراق میں موقع بموقع بیان کریں گے۔ اس مقام پر مختصر الفاظ میں ان قابل لحاظ ممیزات کو بیان کرتے ہیں جو آل سبکتگین کے عہد میں فارسی شاعری میں پیدا ہوئے تھے۔

(۱) اس وقت تک فارسی شاعری کو صرف مضمون اور فن کی حیثیت سے ترقی ہوئی تھی لیکن زبان ٹکسالی نہ تھی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ سامانی اور غزنوی خاندانوں کے مرکز حکومت ایران سے باہر تھے۔ اور ان کے دربار میں جو شعرار تھے۔ وہ بھی عموماً انھیں صوبجات کے رہنے والے تھے۔ مثلاً رودکی سمرقند کا اور بہرامی سرخس کا باشندہ تھا۔ دقیقی اور عسجدی مرو کے رہنے والے تھے۔ عنصری اور فرخی کے وطن بلخ و سجستان تھے ابوالفرج اور مسعود سعد سلمان کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی تھی۔ مختاری اور سنائی کو غزنین میں نشوونما حاصل ہوا تھا۔ آل سلجوق نے جب اس ملک پر قبضہ کیا اور ان کی سرپرستی میں ایران میں شاعری پھیلی تو اس عہد سے زبان میں لطافت و شیرینی پیدا ہوئی اور محاورات و مصطلحات جو خاص اہل زبان کا خاصہ ہیں شاعری میں داخل ہوئے۔

(۲) اس وقت تک شاعری کے صرف دو صنف قصیدہ و مثنوی کو رواج عام حاصل ہوا تھا قصاید مداحی سے مخصوص تھے۔ مثنوی کو شعرار نے قصص و حکایات تک محدود کر دیا تھا۔ رودکی۔ ابوطیب مصعبی

اور عمعق بخاری سے مثنوی گوئی کی ابتدا ہوئی ہے۔ رودکی نے کلیلہ دمنہ ابوالمؤید اور عمعق نے حکایات یوسف زلیخا کو نظم کیا ہے[1]

شعرائے آل ناصر کی جدت پسند طبائع نے ان دونوں اصناف میں بہت سے جدید مضامین ادا کئے ہیں جس کی وجہ سے شاعری میں بے حد وسعت پیدا ہوگئی ہے۔ مثلاً شاعری کی سب سے بڑی قسم رزمیہ ہے۔ فردوسی نے شاہنامہ لکھکر رزمیہ نظم کو اس قدر مکمل کر دیا کہ اس پر آج تک ایک حرف کا اضافہ نہ ہو سکا۔ اسی عہد میں حکیم سنائی نے حدیقہ اور اسی قبیل کی دوسری مثنویوں کو لکھکر اخلاقی اور صوفیانہ شاعری کا سنگ بنیاد رکھا ہے۔ جس کی تکمیل زمانہ مابعد میں شیخ عطار اور عارف روم نے کی ہے اکثر شعراء نے قصاید میں اخلاقی اور تاریخی مضامین ادا کئے ہیں۔ حکیم عنصری نے ایک طولانی قصیدہ میں سلطان محمود کے تمام فتوحات کو نظم کیا اور اس کا نام تاج الفتوح رکھا ہے[2] حکیم سنائی کا قصیدہ رموز الانبیا اور کنوز الاولیا طبقہ صوفیہ میں نہایت مشہور ہے اس میں سلوک کے معارف وحقایق اور لطائف و دقایق مذکور ہیں۔ مولانا جامی نے اس کے ابیات کی تعداد ایک سو اسّی بیان کی ہے[3]

(۳) اس وقت تک فارسی شاعری کے قواعد وضوابط کی تدوین نہیں ہوئی تھی سب سے پہلے غزنویوں کے عہد میں استادان فن نے ان کو مرتب و مدون کیا ہے حکیم بہرامی سرخسی نے فن شعر کے متعلق کئی کتابیں لکھی ہیں[4] غایۃ العروضین اور کنز القافیہ میں علم عروض وقافیہ کے اصول و فروع جمع کئے ہیں[5] خجستہ نامہ میں نقد شعر اور اس کے اصناف وانواع کو بیان کیا ہے[6] حکیم فرخی نے

---

[1] فردوسی نے اپنی مثنوی یوسف زلیخا میں ان دونوں مثنویوں کا ذکر کیا ہے مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب ہفت آسمان جس میں مثنوی گو شعراء کے تاریخی حالات مذکور ہیں۔ [2] دولت شاہ صـ۴۴ [3] نفحات الانس صفحہ ۶۰۹ [4] بہرامی کی تصنیفات اس وقت ناپید ہیں ساتویں صدی تک موجود تھیں شمس الدین قیسی نے ان کو دیکھا ہے۔ اور اپنی کتاب المعجم فی معائر اشعار العجم میں ان سے مضامین اقتباس کئے ہیں [5] چہار مقالہ صـ۳۵ [6] عوفی جلد ۲ صـ۵

اور عمعق بخاری سے مثنوی گوئی کی ابتدا ہوئی ہے۔ رودکی نے کلیلہ دمنہ ابوالموئید اور عمعق نے حکایات یوسف زلیخا کو نظم کیا ہے[1]

شعرائے آل ناصر کی جدت پسند طبائع نے ان دونوں اصناف میں بہت سے جدید مضامین ادا کئے ہیں جس کی وجہ سے شاعری میں بے حد وسعت پیدا ہو گئی ہے۔ مثلاً شاعری کی سب سے بڑی قسم رزمیہ ہے۔ فردوسی نے شاہنامہ لکھکر رزمیہ نظم کو اس قدر تکمل کر دیا کہ اس پر آج تک ایک حرف کا اضافہ نہ ہو سکا۔ اسی عہد میں حکیم سنائی نے حدیقہ اور اسی قبیل کی دوسری مثنویوں کو لکھکر اخلاقی اور صوفیانہ شاعری کا سنگ بنیاد رکھا ہے۔ جس کی تکمیل زمانہ مابعد میں شیخ عطار اور عارف روم نے کی ہے اکثر شعرا نے قصاید میں اخلاقی اور تاریخی مضامین ادا کئے ہیں۔ حکیم عنصری نے ایک طولانی قصیدہ میں سلطان محمود کے تمام فتوحات کو نظم کیا اور اس کا نام تاج الفتوح رکھا ہے[2] حکیم سنائی کا قصیدہ رموز الانبیا اور کنوز الاولیا طبقہ صوفیہ میں نہایت مشہور ہے اس میں سلوک کے معارف وحقایق اور لطائف و دقایق مذکور ہیں۔ مولانا جامی نے اس کے ابیات کی تعداد ایک سو اسی بیان کی ہے[3]

(۳) اس وقت تک فارسی شاعری کے قواعد وضوابط کی تدوین نہیں ہوئی تھی سب سے پہلے غزنویوں کے عہد میں استادان فن نے ان کو مرتب و مدون کیا ہے حکیم بہرامی سرخسی نے فن شعر کے متعلق کئی کتابیں لکھی ہیں[4] غایتہ العروضین اور کنز القافیہ میں علم عروض وقافیہ کے اصول وفروع جمع کئے ہیں[5] خجستہ نامہ میں نقد شعر اور اس کے اصناف وانواع کو بیان کیا ہے[6] حکیم فرخی نے

---

[1] فردوسی نے اپنی مثنوی یوسف زلیخا میں ان دونوں مثنویوں کا ذکر کیا ہے مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب ہفت آسمان جس میں مثنوی گو شعرا کے تاریخی حالات مذکور ہیں۔ [2] دولت شاہ ص۴۴ [3] نفحات الانس صفحہ ۶۰۹ [4] بہرامی کی تصنیفات اس وقت ناپید ہیں ساتویں صدی تک موجود تھیں شمس الدین قیسی نے ان کو دیکھا ہے۔ اور اپنی کتاب المعجم فی معائر اشعار العجم میں ان سے مضامین اقتباس کئے ہیں [5] چہار مقالہ ص۴۳ [6] عوفی جلد ۲ ص۳

باب دوم

امیر ناصر الدین سبکتگین اور اُس کے فرزند

امیر سبکتگین کا مذاق علمی اور اس عہد کے ارباب کمال ابو الفتح بستی، حکیم کسائی مروزی، امیر سبکتگین کے لڑکے، امیر اسمعیل، امیر یوسف امیر نصر، مدرسہ سعیدیہ، دنیائے اسلام کا پہلا مدرسہ، امام ابو منصور ثعلبی، کتاب الغرر فی سیر الملوک۔

امیر سبکتگین شجاع عادل عابد وزاہد اور ذی علم بادشاہ ہوا ہے۔ اشاعت علم سے اس کو خاص رغبت تھی۔ اپنے لڑکوں کو اعلیٰ درجہ کی تعلیم دلوائی تھی۔ اور انھیں ترویج علم اور ارباب فضل وکمال کی قدر دانی پر ہمیشہ آمادہ کیا کرتا تھا۔ مورخ فرشتہ نے غیاث الدین کی کتاب مآثر الملوک سے حسب ذیل واقعہ نقل کیا ہے۔ جس سے اس کا مذاق علمی ظاہر ہوتا ہے۔[1]

"سلطان محمود نے اپنے ایام جوانی میں کہ جس وقت اپنے پدر والاگوہر کے ظل عنایت میں تھا۔ ایک باغ جنت نشان نہایت زیب وزینت کے ساتھ تیار کرایا جب وہ ہر طرح سے آراستہ ہوگیا تو اپنے پدر بزرگوار اور ارکان دولت کو اس کے اندر بلوایا۔ مجلس دعوت

---

[1] ترجمہ اردو تاریخ فرشتہ مسمی بہ تحفۃ الملوک مطبع مجتبائی صفحہ ۱۱ فارسی ایڈیشن مطبع لکھنؤ جلد اصفحہ ۲۱

امیر ناصر الدین سبکتگین نے فرمایا کہ اے فرزند یہ باغ و مکان تو
حقیقت میں بہت مطبوع و مقبول ہیں لیکن ہمارے ملازمین سے اکثر
ایسے بنا سکتے ہیں سلاطین کو شایان ہے کہ ایسی عمارت اور ایسا باغ
بنائیں کہ اور لوگ مثل اس کے بنانے سے عاجز آئیں۔ سلطان محمود نے
آداب بجالا کر عرض کیا کہ وہ کیسا باغ اور کیسی عمارت ہے۔ فرمایا کہ اہل علم
وفضل کے دلوں کی تعمیر اور ان کے دلوں کی زمین میں نہال احسان
لگانا اور ثمرۂ سعادت حاصل کرنا اور تا قیامت ذکر جمیل صفحۂ روزگار
پر چھوڑ جانا۔"

امیر سبکتگین کے دربار میں اکثر ارباب علم جمع تھے۔ اور اس نے سلطنت کے بڑے
بڑے عہدوں پر انھیں مامور کیا تھا۔ الشیخ الجلیل مجد الدین ابو الفتح بستی دربار[1] کا میر منشی تھا سبکتگین
کی وفات کے بعد سلطان محمود کے زمانہ میں بھی اس نے دو سال تک بعض مہام سلطنت انجام دیے
یہ شخص علوم معقول کا زبردست عالم ہوا ہے۔ عربی فارسی میں اس کے دو دیوان ہیں جو حقایق اور معارف
سے مالامال ہیں۔ ایک مطول قصیدہ میں زہد و تقویٰ اور ترک دنیا کے مضامین کو بیان کیا ہے۔ یہ
قصیدہ عرب و عجم میں نہایت مقبول ہوا ہے۔ اور ملک الشعراء بدر الدین جاجرمی نے اس کا نظم
فارسی میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ مطلع یہ ہے ؎

زیادۃ المرء فی دنیاہ نقصان ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ دربحہ غیر محض الخیر خسران

ابو الفتح بستی نے سنہ ۴۳۰ھ / ۱۰۳۸ء میں انتقال کیا۔ ملک عماد مروزی نے اس کی تاریخ وفات

[1] تتمۃ الدہر صفحہ ۳۰۲ و ۳۱۳ عوفی جلد ۱ صفحہ ۶۶ دولت شاہ صفحہ ۲۶ و ۲۷ و ۱۹ مجمع الفصحا جلد ۱ صفحہ ۰ براؤن جلد ۲ صفحہ ۹۹

حسب ذیل لکھی ہے ؎

شیخ عالی قدر مجد الدین ابوالفتح آنکہ بود ۔۔۔ مقتدائے اہلِ فضل و سرورِ اہلِ کلام

چار صد باسی چو از تاریخ ہجرت درگذشت ۔۔۔ در مہِ شوال رحلت کرد از دار السّلام

حکیم ابوالحسن الکسائی[1] مرو کا باشندہ تھا۔ آل سامان کے چوتھے بادشاہ امیر نوح بن نصر کے زمانہ میں ۳۴۱ھ / ۹۵۲ء میں پیدا ہوا۔ عوفی نے لکھا ہے کہ پچپن سال کی عمر میں اس نے وفات پائی اس اعتبار سے ۳۹۶ھ / ۱۰۰۵ء میں اس کا انتقال ہوا ہے۔ عوفی نے اس کا ایک مطول قصیدہ نقل کیا ہے جس کے اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ ۳۹۱ھ / ۱۰۰۰ء میں تصنیف ہوا ہے۔ پس یہ بات یقینی ہے کہ ۳۹۱ھ / ۱۰۰۰ء میں کسائی بقیدِ حیات موجود تھا کسائی کا زمانہ شباب سبکتگین کے عہد میں گذرا ہے اور سلطان محمود کا ابتدائی زمانہ بھی اپنی اخیر عمر میں دیکھا ہے۔ امیر سبکتگین کی مدح میں متعدد قصائد لکھے ہیں حکیم ناصر خسرو اس کا معاصر تھا۔ دونوں میں شاعرانہ نوک جھوک ہوا کرتی تھی۔ اس بنا پر ناصر خسرو نے اس کے کئی قصائد کا جواب بھی لکھا ہے۔

امیر سبکتگین کے چار لڑکے تھے۔ اسمٰعیل، یوسف، نصر، محمود اور یہ سب عالم فاضل اور ہنرپرور تھے۔ مورخ ابن اثیر نے اسمٰعیل کی نسبت لکھا ہے کہ نیک اور فیاض آدمی تھا۔ نظم و نثر میں اس کو اعلیٰ درجہ کی لیاقت حاصل تھی۔ جمعہ کی نماز کے لئے جب جامع مسجد میں آتا تو اکثر اوقات اپنے تصنیف کئے ہوئے خطبے پڑھا کرتا تھا[2]۔ ابوالمظفر یوسف بن سبکتگین کو فارسی شعر و سخن سے غایت دلچسپی تھی۔ لبیبی ادیب اس کا ندیم خاص تھا[3]۔ فرخی عنصری اور دیگر شعراء دربار جب اس کی مدح میں قصائد لکھتے تو انھیں صلۂ بیکراں دیتا تھا[4]۔

ابوالمظفر نصر۔ امیر سبکتگین کا منجھلا لڑکا تھا۔ سلطان محمود نے ۳۸۹ھ / ۹۹۹ء میں جب فایق کو

---

[1] عوفی جلد ۲ صفحہ ۳۳ و ۳۴ چہار مقالہ ۲۶ لغات اسدی صفحہ ۲۰ مجمع الفصحا جلد ۱ صفحہ ۴۸۲ - [2] ابن اثیر جلد ۹ صفحہ ۹۲

[3] عوفی جلد ۱ صفحہ ۳۰ ۔۔۔ [4] مجمع الفصحا جلد ۱ صفحہ ۳۹۴

شکست دے کر خراسان پر قبضہ کیا تو نصر کو وہاں کا سپہ سالار مقرر کیا[۱]۔ اس تقریب سے نصر قریباً چھ سال تک نیشاپور میں مقیم رہا۔ ۳۹۵ھ / ۱۰۰۴ع میں جب ابراہیم منتصر بن نوح سامانی کا خراسان میں استیصال ہو گیا اور ملک کے فتنہ و فساد تمام ہو گئے تو محمود نے نصر کو غزنین میں بلا لیا۔ نصر اس واقعہ کے بعد قریباً پندرہ سال تک زندہ رہا۔ ۴۱۰ھ / ۱۰۱۹ع یا ۴۱۱ھ / ۱۰۲۰ع میں بمقام غزنین اس کا انتقال ہوا[۲]۔ نصر کو علوم عربیہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ اور ان کے احیا اور نشر و ترویج میں بدرجہ غایت حصہ لیا کرتا تھا۔ سپہ سالاری کے زمانہ میں نیشاپور میں اس نے ایک عالیشان مدرسہ تعمیر کرایا تھا۔ جس کا نام مدرسہ سعیدیہ تھا۔ اس میں بڑے بڑے محدثین و فقہا درس و تدریس کے لئے مقرر کئے تھے تعلیم مفت دی جاتی تھی۔ طلبا کی رہایش اور خور و نوش کا بھی انتظام تھا۔ اخراجات کے لئے متعدد دیہات و قصبات وقف کر رکھے تھے۔ مورخین نے اس کو اسلام کے امہات المدارس میں شمار کیا ہے[۳] اور اسلامی دنیا میں یہ پہلا مدرسہ ہے اس کے بعد بغداد و مصر اور دیگر بلاد اسلام میں مدارس تعمیر ہوئے ہیں[۴]۔

---

[۱] عتبی صفحہ ۷۷، ۷۸۹

[۲] نصر کی تاریخ وفات کسی مورخ نے بیان نہیں کی ہے۔ عتبی نے اپنی کتاب کے خاتمہ میں بلا قید تاریخ اس کے انتقال کا تذکرہ کیا ہے یہ کتاب ۴۱۱ھ کے اوائل میں اختتام کو پہونچی ہے اس لئے قوی گمان یہ ہوتا ہے کہ ۴۱۰ھ کے اخیر میں یا ۴۱۱ھ کے اوایل میں اس نے وفات پائی ہے۔

[۳] تاریخ سلاطین غزنویہ در روضۃ الصفا صفحہ ۹۰ مقریزی جلد ۲ صفحہ ۳۶۲۔ سیوطی جلد ۲ صفحہ ۱۸۵

[۴] دنیائے اسلام میں سب سے پہلے کون سا مدرسہ قایم ہوا۔ اس عنوان پر اسلام کے ہر ادبی مورخ نے بحث کی ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے خواجہ نظام الملک طوسی نے مدرسوں کی بنیاد ڈالی ہے۔ مستشرقین یورپ بیان کرتے ہیں کہ اسلام کا پہلا مدرسہ مامون نے اپنی ولی عہدی کے زمانہ میں خراسان میں قایم کیا تھا لیکن اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا ہے جرجی زیدان اور علامہ شبلی نے اس موضوع پر کسی قدر تفصیل سے بحث کی ہے جو ان کی تصنیفات میں مرقوم ہے تاریخ تمدن اسلام

امام ابو المنصور ثعلبی کی سکونت نیشاپور میں تھی۔ نصر اپنے زمانہ حکومت میں اُن کے ساتھ بے حد مراعات سے پیش آیا کرتا تھا۔ امام صاحب نے اس کی فرمایش سے علم تاریخ میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام کتاب الغرر فی سیر الملوک ہے۔ اس میں ابتدائی تخلیق عالم و آدم سے لے کر سلطان محمود کے جلوس تک جمیع اقوام عالم کے حالات کمال شرح و بسط سے لکھے ہیں۔ یہ کتاب مضامین کے اعتبار سے حسب ذیل ابواب پر منقسم ہے۔

(۱) تاریخ انبیاء علیہ السلام
(۲) تاریخ ملوک الفرس
(۳) تاریخ ملوک الفراعنہ
(۴) تاریخ ملوک بنی اسرائیل
(۵) تاریخ ملوک الحمیر
(۶) تاریخ ملوک عرب الشام
(۷) تاریخ ملوک عرب العراق
(۸) تاریخ ملوک الروم والافرنج
(۹) تاریخ ملوک الہند
(۱۰) تاریخ ملوک الترک

(بقیہ صفحہ سابق) جلد ۳ صفحہ ۲۳۰) اور اسلامی مدارس مندرجہ رسائل شبلی صفحہ ۳۶۵) حال میں مولوی عبدالرزاق کانپوری نے بھی نظام الملک طوسی کی سوانح عمری صفحہ (۲۴۰) میں مدرسہ نظامیہ کے حالات کو بیان کرتے ہوئے اس مسئلہ پر قلم اٹھایا ہے۔ ان تینوں مصنفین کا ماخذ ایک ہے اور یہ تمام مضامین ابن خلکان مقریزی اور سیوطی کی تصنیفات سے نقل کئے ہیں (وفیات الاعیان جلد اصفحہ ۴۸۲۔ الخطط والآثار جلد ۲ صفحہ (۳۶۳) حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ (۱۶۸) وصفحہ (۱۸۵) مولوی عبدالرزاق کا مضمون چوں کہ سب کے بعد لکھا گیا ہے۔ اس لئے اس میں زیادہ جامعیت ہے اور اس میں قدامت و تاریخ تعمیر کے لحاظ سے مدارس کا سلسلہ قائم کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔ الحاکم بامر اللہ نے سنہ[illegible]ھ میں ایک مدرسہ مصر میں تعمیر کرایا یہ سب سے پہلا مدرسہ ہے جو سلطنت کی طرف سے رعایا کے لئے قائم ہوا ہے۔ اس کے بعد نیشاپور کے باشندوں نے ایک مدرسہ قومی چندہ سے امام ابو بکر فورک المتوفی سنہ[illegible]ھ کے لئے قائم کیا۔ اس کے بعد نیشاپور میں ایک اور مدرسہ بیہقیہ قائم ہوا۔ اس کے مدرس اعظم امام ابو القاسم اسکاف تھے۔ بعض مورخوں نے اس کو اسلامی دنیا کا پہلا مدرسہ لکھا ہے۔ سنہ[illegible]ھ میں سلطان محمود نے غزنین میں ایک مدرسہ جاری کیا۔ محمود کی تقلید میں

(۱۱) تاریخ ملوک الصین
(۱۲) سیرت جناب رسول اللہ صلعم
(۱۳) تاریخ خلفائے راشدین
(۱۴) تاریخ ملوک بنی امیہؓ
(۱۵) تاریخ خلفائے بنی عباس
(۱۶) اخبار امرائے برامکہ
(۱۷) تاریخ ملوک طاہریہ
(۱۸) تاریخ ملوک سجزیہ (آل صفار)
(۱۹) تاریخ ملوک سامانیہ
(۲۰) اخبار ملوک حمدانیہ
(۲۱) اخبار ملوک بویہ
(۲۲) اخبار امیر ناصر الدین سبکتگین

موسیو زوٹن برگ (ZOTENBERG) نے اس کتاب کے باب دوم کو (جس میں قدیم شاہان ایران کے حالات ہیں) سنہ ۱۹۰۰ء میں بمقام پیرس چھپوایا ہے اور اس کے ساتھ فرانسیسی ترجمہ بھی ہے جس کا عنوان یہ ہے۔

"وسکامل کتاب نایاب ہے اس کا ایک نفیس نسخہ فرانس کے کتب خانہ ملّی میں محفوظ ہے۔"

(بقیہ صفحہ سابق) نصر بن سبکتگین نے بھی نیشاپور میں ایک مدرسہ تعمیر کرایا اور مدرسہ سعیدیہ اس کا نام رکھا۔ اس کے بعد نیشاپور میں ایک اور مدرسہ امام ابو اسحٰق اسفرائینی المتوفی ۴۱۸ھ کے لئے قایم ہوا۔ جرجی زیدان نے لکھا ہے کہ مدرسہ نظامیہ میں طلبار کو مفت تعلیم دی جاتی تھی۔ اس نوعیت کے لحاظ سے یہ پہلا مدرسہ ہے۔

مذکورۂ بالا اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ نصر کا مدرسہ ۴۵۹ھ کے بعد تعمیر ہوا ہے۔ اگرچہ کسی مورخ نے اس کی تاریخ تعمیر صراحت کے ساتھ بیان نہیں کی ہے تاہم اس پر سب متفق ہیں کہ نصر نے اس کو اپنی سپہ سالاری کے زمانہ میں جب کہ وہ نیشاپور میں رہا کرتا تھا تعمیر کرایا ہے۔ مورخ عتبی نصر کا ہمعصر ہے اس کی تصریحات سے ظاہر ہے کہ ۳۸۹ھ سے ۳۹۵ھ تک قریباً چھ سال نیشاپور میں اس کا قیام رہا ہے۔ اس بنیاد پر اس کی تاریخ تعمیر یقیناً ۳۹۵ھ سے پیشتر ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ مدرسہ نہ صرف نیشاپور و غزنین کے مدرسوں سے قدیم ہے بلکہ مصر کے مدرسہ سے بھی پانچ سال پہلے تعمیر ہوا ہے۔ مدرسہ نصر اور نظامیہ کی جو خصوصیات مورخین نے بیان کی ہیں۔ وہ بھی اس میں جمع تھیں۔ یعنی یہ کہ حکومت کی طرف سے اس کا افتتاح ہوا تھا۔ طلبار کو مفت تعلیم دی جاتی۔ اور ان کے رہنے کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔

باب سوم

سلطان محمود بن سبکتگین

محمود کی علمی قابلیت۔ غزنین کی جامع مسجد مدرسہ اور کتب خانہ محمود کے دربار میں ارباب کمال کی قدر و منزلت۔ خوارزم کا خاندان مامونیہ۔ محمود کی علمی فیاضیاں۔

سلاطین آل سبکتگین میں سلطان محمود سب سے زیادہ عالم و فاضل بادشاہ تھا۔ علامہ ابی الوفا قرشی المتوفی ۷۷۵ھ نے اسے ائمہ فقہا میں شمار کیا ہے۔ اس نے اس زمانہ کے بڑے بڑے اعیان علما، و ائمہ فن سے علوم شرعیہ کو تحصیل کیا تھا۔ حدیث فقہ میں اس نے متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں منجملہ ان کے ایک کتاب التفرید نہایت مشہور ہے اور فقہ احناف کی کتب مستندہ میں شمار ہوتی ہے۔ اس میں ساٹھ ہزار مسائل مذکور ہیں[1] محمود کو شعر و سخن سے بھی خاص دلچسپی تھی۔ عربی فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہا کرتا تھا[2]

(بقیہ صفحہ سابق) تمام وجوہات کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ دعوی درجۂ ثبوت کو پہونچ جاتا ہے کہ "نصر کا مدرسہ سعیدیہ ہر اعتبار سے اسلامی دنیا کا پہلا مدرسہ ہے"

[1] جواہر المضیہ جلد ۲ کشف الظنون

[2] موسیو شیفر (SCHEEFER) نے اپنی کتاب منتخبات فارسی کی جلد دوم صفحہ ۲۵۰ میں جس کا نام "کرسیٹماتی دیکا پرسان" ہے محمود نامہ کو سلطان محمود سے منسوب کیا ہے۔ لیکن

سلطان محمود سنہ ۴۱۰ھ میں جب متھرا کی فتح سے واپس آیا تو غزنین میں ایک جامع مسجد سنگ مرمر و رخام سے بنوائی اور اسے انواع و اقسام کے ساز و سامان سے مزین کیا کہ سیاح اسے دیکھتے تو عروس فلک کہا کرتے تھے۔ مسجد کے پاس ایک عظیم الشان مدرسہ بنوایا۔ اس میں کتب خانہ بھی قایم کیا جس میں نفیس و نادر کتابیں جمع کیں مدرسے کے اخراجات کے لئے بہت سے دیہات وقف کئے۔ بادشاہ کی تقلید تمام امرائے کی اور ان لوگوں نے بھی اس قدر مساجد مدارس اور رباطات بنوائے کہ تھوڑی ہی مدت میں غزنین عالیشان عمارات اور علمی درس گاہوں سے معمور ہو گیا[1]

سلطان محمود چوں کہ خود ذی علم اور زبردست عالم تھا اس لئے ارباب فضل و کمال کی خوب قدر و منزلت کرتا تھا۔ قابل آدمیوں کو اطراف عالم سے بلاکر اپنے دربار میں جمع کیا تھا۔ اور سلطنت کے عہدہائے جلیلہ اُن کے تفویض کئے تھے۔ بقول مورخ فرشتہ کے اس کے دربار میں ارباب کمال کا اس قدر مجمع تھا کہ ہندوستان میں کسی بادشاہ کے زمانہ میں نہیں ہوا[2] حمد اللہ مستوفی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے۔

"در مآثر او از آفتاب روشن ترست و مساعی او در روزگار دین
از شرح و وصف مستغنی کتاب یمینی مقامات ابونصر مشکان و مجلدات
ابو الفضل شیبانی شاہد حال اوست علماء و شعراء را دوست داشتی
و در حق ایشاں عطائے جزیل فرمودی۔ ہر سال زیادت از چہار
صد ہزار دینار او را بدیں جماعت صرف شدی[3]"

——— ﴿ ❁ ﴾ ———

* بقیہ صفحہ سابق: صریح غلطی ہے محمود نامہ محمود کی تصنیف نہیں ہے۔ بلکہ اس کو کسی نامعلوم الاسم شاعر نے ساتویں صدی میں یا اس کے بعد تصنیف کیا ہے اس میں سات غزلیں ہیں اور اس میں محمود کا عشق ایاز کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے۔ اسی مناسبت

سلطنت ہائے اسلامیہ میں وزارت کتابت قضاوت سفارت بڑے بڑے اور جلیل القدر عہدے ہوا کرتے تھے۔ سلطان محمود نے ان خدمتوں پر بڑے بڑے عالم آدمیوں کو معمور کر رکھا تھا۔ احمد بن حسن میمندی وزارت پر مامور تھا۔ ابونصر مشکان کاتب تھا۔ امام ابو محمد عبداللہ بن حسین الناصحی قاضی القضات تھے۔ امام ابوطیب سہیل بن سلیمان صعلوکی اور امام ابو منصور ثعلبی کو بھی دربار سلطنت سے گہرا تعلق تھا اور دیگر سلاطین کے درباروں میں سفیر مقرر ہو کر جایا کرتے تھے۔

خوارزم کے شاہان مامونیہ بڑے علم دوست اور ہنر پرور بادشاہ گزرے ہیں ان کے دربار میں حکیم طبیب منجم محدث فقیہ شاعر غرض کہ ہر علم و فن کے صاحب کمال جمع تھے۔ سلطان محمود خوارزم کو فتح کر کے سنہ ۴۰۸ھ کے موسم بہار میں واپس آیا تو وہاں کے تمام ارباب فضل و کمال کو بھی اپنے ساتھ غزنین میں لایا۔ ان میں مشہور طبیب اور فیلسوف ابوالخیر خمار ابو ریحان البیرونی بھی تھے۔ غزنین میں آنے کے بعد سلطان نے ان لوگوں کی خوب قدر دانی کی خصوصاً ابوالخیر خمار کے ساتھ مراعات بیغایات سے پیش آیا۔ بیہقی نے ابوالخیر کے حالات میں لکھا ہے "سلطان محمود

(بقیہ صفحہ سابق ۲۸) اس کو محمود نامہ کہتے ہیں۔ ایتھی صفحہ ۶۷ نمبر ۲/۱۷۴۵ ۔ ۱۵ فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۳۰

۱۶ فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۲۲ ۱۷ تاریخ گزیدہ صفحہ ۳۹۵

۱۸ خوارزم کا خاندان مامونیہ جس کو خوارزم شاہیان قدیم بھی کہتے ہیں، ابتدا میں سلاطین سامانیہ کا باج گزار تھا۔ جب سلطنت سامانیہ تباہی کے قریب ہو گئی اور سلاطین آل سبکتگین کو نشو و نما ہونے لگا۔ یعنی سنہ ۳۸۹ھ اور سنہ ۴۰۹ھ کے مابین کچھ عرصہ کے لئے یہ باقاعدہ خود مختار ہو گئے۔ لیکن ان کی یہ خود مختاری زیادہ مدت تک قایم نہیں رہی۔ سنہ ۴۰۹ھ میں سلاطین آل سبکتگین نے ان کو اپنے زیر اثر کر لیا۔ یہ امر ابھی تک تحقیق نہیں ہوا کہ اس خاندان کی بنیاد کس زمانہ میں پڑی ہے تاہم سنہ ۳۸۲ھ سے ان کا نام تاریخ میں آیا ہے۔ مامون بن محمد خوارزم شاہ ابتدا میں جرجانیہ کا والی تھا۔ سنہ ۳۸۵ھ میں ابو عبداللہ والی کاث کو شکست دے کر اس کے علاقہ پر متصرف ہو گیا۔ اس فتح سے خوارزم کا تمام علاقہ مامون خوارزم شاہ کے قبضہ میں آگیا (ابن اثیر حوادث سنہ ۳۸۵ھ) سنہ ۳۸۷ھ میں مامون نے وفات پائی اور اس کی جگہ علی بن مامون بن محمد خوارزم شاہ تخت نشین ہوا۔ اور سلطان محمود کی

با او در نہایت اکرام وغایت تجلیل اختیار نمود بعد یکہ گویند زمین را در مقابل او بوسید"

محمود کو فارسی شاعری سے خاص دلچسپی تھی۔ اس کے دربار میں چار سو شاعر تھے۔ عنصری کو ملک الشعراء کا خطاب دے کر ان کا افسر مقرر کیا تھا۔ اور حکم دے رکھا تھا کہ تمام شعراء دربار میں اپنا کلام سنانے سے پہلے عنصری سے اصلاح لے لیا کریں۔ ان شعراء میں عنصری۔ عضائری۔ عسجدی۔ ارشدی۔ فرخی۔ فردوسی وغیرہ خاص امتیاز رکھتے تھے۔ اور دربار کے سبعہ سیارہ کہلاتے تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ امیر مسعود بن محمود مہم خراسان سے فارغ ہو کر غزنین میں آیا تو اس کی تہنیت میں شعراء نے قصائد لکھے۔ محمود نے ہر ایک شاعر کو بیس بیس ہزار درہم اور عنصری و زینبی کو پچاس ہزار دینار عنایت کئے۔

محمود کی فرمائش سے عضائری نے ایاز کی تعریف میں ایک رباعی لکھی جس کے صلہ میں سلطان نے دو ہزار دینار عطا کئے۔ اس کے بعد عضائری نے ایاز کی تعریف میں ایک غزل پڑھی جو سلطان کو

(بقیہ صفحہ سابق) بہن سے عقد کیا جس کی وجہ سے دونوں بادشاہوں کے درمیان رشتہ اتحاد قایم ہو گیا (ابن اثیر حوادث [illegible]ھ)

اسی کے زمانہ میں شیخ الرئیس بوعلی سینا خوارزم میں آیا تھا۔ اس نے اس کی بدرجہ غایت قدر دانی کی تھی۔ (قفطی صفحہ ۴۱۷۔ ابن ابی اصیبعہ جلد ۲ صفحہ ۵)

علی بن مامون کے بعد اس کا چھوٹا بھائی ابوالعباس مامون بن مامون بن محمد خوارزم شاہ برسر حکومت ہوا۔ اور اپنے بھائی کی بیوہ سے جو سلطان محمود کی بہن تھی نکاح کر لیا۔ بڑا علم دوست اور ہنر پرور بادشاہ ہوا ہے۔ ابوالحسین احمد بن محمد سہیلی جو مشہور فقیہی ہے۔ اس کا وزیر اعظم تھا۔ امراء خوارزم نے [illegible]ھ میں اسے قتل کر دیا اس وقت اس کی عمر ۳۲ سال کی تھی (ابن اثیر حوادث [illegible]ھ) تاریخ بیہقی (۸۰۰)

ابوالعباس مامون بن مامون کے بعد علی بن مامون کا لڑکا ابوالحارث محمد بن علی بن مامون خوارزم شاہ حکمراں ہوا۔ سلطان محمود نے مامون بن مامون کی خون خواہی کے بہانے سے خوارزم پر لشکر کشی کی اور جب یہ ملک فتح ہو گیا تو حاجب کبیر التونتاش کو وہاں کا گورنر مقرر کر کے [illegible]ھ کے موسم بہار میں غزنین کو واپس آیا۔ خوارزم میں جس قدر

پسند آئی۔ اور صلہ کو المضاعف کر دیا۔ اس عنایت کے شکریہ میں غضائری نے ایک مطول قصیدہ لکھا جس کے بعض ابیات یہ ہیں ؎

اگر کمال بجاہ اندرست وجاہ بہ مال	مرا ببیں کہ ببینی جمال را بہ کمال
صواب کرد کہ پیدا نہ کرد ہر دو جہاں	یگانہ ایزد دادار بے نظیر و ہمال
وگرنہ ہر دو جہاں را کف تو بخشیدی	امید بندہ نماندی بایزد متعال
مراد وبیت بفرمود شہریار جہاں	برآں صنوبر عنبر عذار مشکیں خال
دو بدرہ از بفرستاد ہر ہزار تمام	بزعم حاسد بیمار باد بال و نکال
چہ گفت حاسد ناکس کہ بدسگال من ست ق	ز راہ باطن و در آشکار و نیک سگال
دو بدرہ یافتی از نعمت و کرامت شاہ	غنی شدی وگر از جور روزگار منال
بلی دو بدرہ دینار یافتم بہ تمام	حلال و پاکتر از شیر دایۂ اطفال
ہزار بود دو ہزار دگر ملک افزود	بیک غزل کہ زمن خواست بر لطیف غولہ

جب یہ قصیدہ سلطان کے ملاحظہ میں پیش ہوا تو سلطان نے اس کے صلہ میں چودہ ہزار درہم پھر عنایت کئے۔ اس عطیۂ بیکراں کو دیکھکر عنصری نے بے حد پیچ و تاب کھایا اور اس قصیدہ کے جواب میں ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے ؎

خدایگان خراسان و آفتاب کمال | کہ وقف کرد برو ذوالجلال عز وجلال

سلطان نے عنصری کو بھی اُسی قدر رقم سرفراز کی[1]۔

ایک دن مجلس عشرت میں سلطان محمود کو خارج خمار زیادہ ہوگیا اور حالت سرور میں ایاز پر نظر پڑی اس کے چہرہ پر پیچ در پیچ کاکل بکھری ہوئی تھیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابر میں ماہتاب

(بقیہ صفحۂ سابق) جمع تھے۔ ان سب کو اپنے ہمراہ غزنین میں لایا (ابن اثیر حوادث ۳۹۴ھ بیہقی صفحہ ۴۰۰)

[1] غضائری کو جو عطیات ملے ہیں ان کی تفصیل خزانہ عامرہ میں مذکور ہے۔

چمک رہا ہے۔ سلطان کے جوش عشق کو غلبہ ہوا۔ لیکن زہد و اتقا نے قدم روک دیے۔ اور ایاز کو حکم دیا کہ زلفیں قطع کر دے۔ اس نے اسی وقت تعمیل کی صبح جب نشہ فرو ہو گیا اور ایاز کا چہرہ دیکھا تو سخت پشیمان ہوا۔ اور طبیعت اس درجہ مکدر ہوئی کہ تمام ندما و مقربین یہ کیفیت دیکھکر دم بخود رہ گئے۔ حاجب بزوک علی قریب نے عنصری سے تمام واقعہ بیان کیا۔ عنصری نے سلطان کے سامنے جا کر یہ رباعی پڑھی ؎

کے عیب سر زلف بت از کاستن است　　چہ جائے بغم نشستن و خواستن است

جائے طرب و نشاط و مے خواستن است　　کار استن سرو ز پیراستن است

یہ اشعار سلطان کو بے حد پسند آئے اور حکم دیا کہ تین بار عنصری کا منہ جواہرات سے بھرا جائے[۱]

سنہ ۴۱۳ھ میں سلطان محمود نے قلعہ کالنجر کا محاصرہ کیا تو وہاں کے راجہ نندا نے ۳۰۰ ہاتھی دے کر صلح کر لی اور ہندی زبان میں ایک قصیدہ مدحیہ لکھکر سلطان کی خدمت میں روانہ کیا دربار میں ہند اور عرب و عجم کے جو علما رتھے انھیں سلطان نے یہ قصیدہ سنایا۔ سبھوں نے اس کی تعریف و توصیف کی تو سلطان نے اس کے صلہ میں نندا کے تمام علاقے واپس کر دیئے اور علاوہ اس کے چودہ قلعوں کو اپنی طرف سے اسے دیدیا۔[۲]

---

[۱] چہار مقالہ صفحہ ۴۴ و ۴۵ - لطائف الطوائف

[۲] فرشتہ صفحہ ۴۱ طبقات اکبری صفحہ ۹

باب چہارم

دربار محمود کے ارباب فضل و کمال

فضل بن احمد اسفرائنی احمد بن حسن میمندی ابو نصر مشکان ابو نصر عتبی

اور اس کی تاریخ۔ امام ناصحی امام صعلوکی۔ ایلک خاں۔ امام ثعلبی حکیم

ابو الخیر خمار۔ حکیم ابو ریحان بیرونی۔

ابو العباس فضل بن احمد اسفرائنی[۱] ابتدا میں سلاطین سامانیہ کا کاتب تھا۔ امیر ناصر الدین سبکتگین نے اس کو اپنا وزیر بنایا۔ سبکتگین کے بعد محمود نے بھی اپنے ابتدائی زمانہ میں اس کو خدمت وزارت پر بحال رکھا۔ قریباً آٹھ سال اس نے وزارت کی ۔ ۳۹۴ھ میں اس کا انتقال ہو گیا اس کو امور جہانبانی میں خوب لیاقت تھی۔ ایرانی النسل تھا۔ اس لئے ایرانی لٹریچر اور فارسی زبان سے رغبت تمام رکھتا تھا۔ پہلے سلطنت کے احکام و توقیعات عربی میں لکھے جاتے تھے لیکن اس نے عربی کے بجائے انھیں فارسی میں لکھنے کا حکم دیا فردوسی جب شاہنامہ لے کر طوس سے غزنین میں آیا تو اس نے دربار میں اس کی تقریب کی۔ اس کی اولاد سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی۔ لڑکے کا نام حجاج تھا۔ وزیر رشید نے جامع التواریخ میں ان کی نسبت لکھا ہے۔

"ابو العباس پسری داشت حجاج نام کہ در فضائل کسب نفسانی

سرآمد آن دیار بود و اشعار عربی در غایت بلاغت نظم میفرمود"

---

[۱] شرح یمنی صفحہ ۲۵ و ۱۵۰ تاریخ گزیدہ صفحہ ۸۴ شاہنامہ صفحہ ۹۰۲ فرشتہ جلد ا حبیب السیر

دختری نیز داشت کہ در علم حدیث مہارت بے نہایت پیدا کرد چنانچہ بعضے از محدثان از وی حدیث روایت کنند۔

شمس الدین ابوالقاسم احمد بن حسن میمندی[1] سلطان محمود نے اس کو ابتدا میں خراسان کا دیوان رسائل مقرر کیا تھا۔ فضل بن احمد کی معزولی کے بعد وزارت سے فائض ہوا۔ بلند پایہ اور زبردست عالم ہوا ہے۔ عربی فارسی میں شعر خوب کہا کرتا تھا۔ امام ابوالمنصور ثعلبی نے یتیمۃ الدہر میں اس کے عربی اشعار نقل کئے ہیں۔ اس نے اٹھارہ سال وزارت کی۔ اس کے بعد سلطان نے اُسے خدمت سے معزول کر کے قلعہ کالنجر میں قید کر دیا۔ تیرہ برس اس نے قید میں گزارے مسعود کے زمانہ میں رہائی حاصل کی پھر وزارت سے سرفراز ہوا۔ ۴۲۴ھ میں انتقال کیا۔

عام طور پر مشہور رہے کہ احمد کا باپ حسن میمندی سلطان محمود کا وزیر تھا۔ لیکن یہ صریح غلطی ہے حسن میمندی امیر ناصر الدین سبکتگین کے زمانہ میں گذرا ہے۔ امیر سبکتگین نے جب قصبہ بست کو فتح کیا تو وہاں ضبط اموال کے لئے اس کا تقرر ہوا۔ لیکن خیانت کرنے کی وجہ سے امیر نے اس کو قتل کرا دیا۔ یہ واقعہ سلطان محمود کے تخت نشین ہونے سے پہلے واقع ہوا ہے[2]

ابو نصر بن مشکان[3] مشہور و معروف ادیب ہے۔ اس نے علم ادب میں المقامات کے نام سے ایک بے نظیر کتاب لکھی ہے۔ مشہور مورخ ابوالفضل بیہقی اس کا شاگرد تھا۔ سلطان مسعود کے زمانہ میں بھی دیوان رسالت کا عہدہ اسی سے وابستہ تھا۔ ۴۳۹ھ میں بزمانہ سلطان مودود اس کا انتقال ہوا۔

---

[1] شرح یمینی صفحہ ۱۶۶ و ۱۷۰۔ ابن اثیر جلد ۹ صفحہ ۲۰۳ و ۲۹۰ عوفی جلد ا صفحہ ۹۰ فرشتہ صفحہ ۳۰ [2] بیہقی

[3] ابن اثیر حوادث ۴۳۱ھ صلاح الدین صفدی نے الوافی بالوفیات میں اس کے مفصل حالات لکھے ہیں۔ امام ثعلبی نے تتمہ میں اس کے عربی کلام کو نقل کیا ہے۔

ابو نصر محمد بن عبد الجبار العتبی[1] مشہور ادیب ہے۔ سلطان محمود کے اہل دربار سے تھا سلطان جب بر سر حکومت ہوا تو اسے مہم گرجستان پر روانہ کیا۔ اسی دوران میں کچھ عرصہ کے لئے گنج رستاق میں صاحب البرید ہو گیا پھر غزنین میں آکر دربار میں رہنے لگا۔ ۴۱۱ھ میں اس نے امیر ناصر الدین سبکتگین اور سلطان محمود کی تاریخ لکھی ہے۔ جو یمینی کے نام سے مشہور ہے اور بلحاظ انشا ر کے اس کی عبارت اس قدر فصیح و بلیغ ہے کہ علمائے ادب اسے مقامات ہمدانی اور حریری کے ہم پایہ قرار دیتے ہیں۔ احمد المنینی المتوفی ۱۰۴۳ھ نے اس کی شرح لکھی ہے اور اس میں اس کے تمام لغات مشکلہ کو حل کیا ہے۔ یہ شرح فتح الوہبی کے نام سے ۱۲۸۶ھ میں بولاق میں چھپ گئی ہے یمنی کو ڈاکٹر اسپرنگر (Speringer) نے ۱۸۴۷ء میں دہلی میں چھپوایا ہے۔ اور پروفیسر نولدیکی Noldeke نے جرمن میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔ جو ۱۸۵۷ء میں بمقام ویانا شایع ہوا ہے آذربائیجان کے بادشاہ اتابک ابو بکر محمد بن ایلدگز (۵۸۷ھ ۱۱۹۱ء تا ۶۰۷ھ ۱۲۱۰ء) کے زمانہ میں وزیر مہذب الدین ابو القاسم علی بن الحسین کی فرمائش سے ابو الشرف ناصح بن ظفر بن سعد جرباذقانی نے یمنی کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ جرباذقان جسے اہل فارس گلبائیگان کہتے ہیں علاقہ ہمدان میں اصفہان کے قریب واقع ہے۔ عربی کتاب کی بہ نسبت اس فارسی ترجمہ نے زیادہ شہرت و قبولیت حاصل کی ہے۔ زمانہ مابعد میں ایرانی مورخین مثل حمد اللہ مستوفی احمد غفاری میر خوند، خوند میر، فرشتہ، وغیرہ نے اسی ترجمہ سے امیر سبکتگین اور محمود کے حالات نقل کئے ہیں۔ یہ ترجمہ ۱۲۷۲ھ میں بمقام طہران طبع ہو گیا ہے۔ اس ترجمہ سے درویش حسن نے ترکی میں اور جیمس رینالڈ نے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ انگریزی ترجمہ اورنٹیل ٹرانسلیشن فنڈ کے سلسلہ میں ۱۸۵۸ء میں لندن میں چھپا ہے۔

[1] روضۃ الصفا جلد ۴ صفحہ ۴۰ و۔ حبیب السیر طبقات ناصری ترجمہ ریورٹی جلد ۱ صفحہ ۸۶ حاجی خلیفہ جلد ۶ صفحہ ۵۱۴۔ ایلیٹ ہسٹری جلد ۲ صفحہ ۱۴ ریو جلد ۱ صفحہ ۱۵۷ و رسالہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۰۱ء صفحہ ۲۴۴۔

امام ابو محمد عبد اللہ بن حسین الناصحی[1] تفسیر حدیث فقہ کے زبردست عالم اور مذہب حنفیہ کے امام وقت مانے جاتے تھے۔ سلطان محمود اور مسعود کے زمانہ میں مدت مدید تک قاضی القضاۃ کے عہدۂ جلیلہ پر مامور رہے ہیں۔ سنہ ۴۴۷ھ میں فرخ زاد کے زمانہ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ سنہ ۴۱۲ھ میں علما، فضلا اور دیگر اہل اسلام کی ایک جماعت کثیر نے سلطان محمود سے عرض کی کہ اعراب اور قرامطہ کی وجہ سے بیت اللہ کا راستہ مسدود ہو گیا ہے۔ ان کے خوف اور خلفا کے ضعف سے مسلمان ایک عرصہ سے حج و زیارت بیت اللہ سے محروم ہیں۔ سلطان نے قاضی صاحب کو امیر حجاج بنا کر غزنین سے حاجیوں کا ایک قافلہ روانہ کیا زاد راہ کے لئے تیس ہزار دینار دیئے۔ یہ قافلہ مناسک حج ادا کرنے کے بعد ایک سال کے اندر خیر و خوبی سے واپس آیا[2]

امام ابو طیب سہیل بن سلیمان صعلوکی[3] تفسیر حدیث فقہ ادب کلام میں امام وقت اور نیشاپور کے قاضی القضاۃ تھے۔ ائمہ حدیث نے ان کو شیخ خراسان اور شمس الاسلام کے لقب سے یاد کیا ہے۔ خراسان کے فقہا اگر کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے تو فیصلہ آخر کے لئے وہ مسئلہ ان کے یہاں پیش ہوتا تھا۔ انھوں نے سنہ ۴۰۴ھ میں بمقام نیشاپور وفات پائی ہے۔ سنہ ۳۸۹ھ میں ایلک خاں[4] نے جب آل سامان کا خاتمہ کر دیا تو مملکت سامانیہ کے بارے میں ایلک خاں اور

---

[1] جواہر المضیہ جلد ۱ صفحہ ۲۷۱

[2] ابن اثیر جلد ۹ صفحہ ۲۲۹۔ فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۳۰۔

[3] مفتاح السعادہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۲

[4] ایلک خاں مورخین نے ماوراء النہر کے بادشاہ کا نام ایلک خاں لکھا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ نام شخص خاص کا نہیں بلکہ خاندان کا لقب ہے۔ اس خاندان کے حالات کسی مورخ نے مستقل عنوان کے تحت میں نہیں لکھے ہیں۔ ابن اثیر ابن خلدون۔ منہاج سراج۔ وزیر رشید الدین وغیرہ نے اپنی تاریخوں میں مختلف مقامات پر اس خاندان کے حالات دوسرے سلاطین کے تحت میں لکھے ہیں احمد غفاری نے جہان آرا میں ان کے حالات ایک علحدہ باب میں لکھے ہیں۔ لیکن وہ نہایت مختصر ہیں حال میں سر ہنری ہوارتھ نے مورخین عرب کی تصنیفات سے اخذ کر کے ایک مضمون ان کے متعلق لکھا ہے جو نہایت مکمل اور معلومات مفیدہ سے مملو ہے۔

امام ابو محمد عبداللہ بن حسین الناصحی[1] تفسیر حدیث فقہ کے زبردست عالم اور مذہب حنفیہ کے امام وقت مانے جاتے تھے۔ سلطان محمود اور مسعود کے زمانہ میں مدت مدید تک قاضی القضاۃ کے عہدہ جلیلہ پر مامور رہے ہیں۔ ۴۴۷ھ میں فرخ زاد کے زمانہ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ ۴۱۲ھ میں علماء فضلا اور دیگر اہل اسلام کی ایک جماعت کثیر نے سلطان محمود سے عرض کی کہ اعراب اور قرامطہ کی وجہ سے بیت اللہ کا راستہ مسدود ہو گیا ہے۔ ان کے خوف اور خلفا کے ضعف سے مسلمان ایک عرصہ سے حج و زیارت بیت اللہ سے محروم ہیں۔ سلطان نے قاضی صاحب کو امیر حجاج بنا کر غزنین سے حاجیوں کا ایک قافلہ روانہ کیا زاد راہ کے لئے تیس ہزار دینار دیئے۔ یہ قافلہ مناسک حج ادا کرنے کے بعد ایک سال کے اندر خیر و خوبی سے واپس آیا[2]۔

امام ابوالطیب سہیل بن سلیمان صعلوکی[3] تفسیر حدیث فقہ ادب کلام میں امام وقت اور نیشاپور کے قاضی القضات تھے۔ ائمہ حدیث نے ان کو شیخ خراسان اور شمس الاسلام کے لقب سے یاد کیا ہے۔ خراسان کے فقہا اگر کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے تو فیصلہ آخر کے لئے وہ مسئلہ ان کے یہاں پیش ہوتا تھا۔ انھوں نے ۴۰۴ھ میں بمقام نیشاپور وفات پائی ہے ۳۸۹ھ میں ایلک خاں[4] نے جب آل سامان کا خاتمہ کر دیا تو مملکت سامانیہ کے بارے میں ایلک خاں اور

---

[1] جواہر المضیہ جلد ا صفحہ ۲۷۱

[2] ابن اثیر جلد ۹ صفحہ ۲۲۹۔ فرشتہ جلد ا صفحہ ۳۰۔

[3] مفتاح السعادہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۲

[4] ایلک خاں۔ مورخین نے ماوراء النہر کے بادشاہ کا نام ایلک خاں لکھا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ نام شخص خاص کا نہیں بلکہ خاندان کا لقب ہے۔ اس خاندان کے حالات کسی مورخ نے مستقل عنوان کے تحت میں نہیں لکھے ہیں۔ ابن اثیر ابن خلدون۔ منہاج سراج۔ وزیر رشید الدین وغیرہ نے اپنی تاریخوں میں مختلف مقامات پر اس خاندان کے حالات دوسرے سلاطین کے تحت میں لکھے ہیں احمد غفاری نے جہان آرا میں ان کے حالات ایک علیحدہ باب میں لکھے ہیں۔ لیکن وہ نہایت مختصر ہیں حال میں سر ہنری ہوارتھ نے مورخین عرب کی تصنیفات سے اخذ کر کے ایک مضمون ان کے متعلق لکھا ہے جو نہایت مکمل اور معلومات مفیدہ سے مملو ہے۔

لطائف المعارف، سحر البلاغۃ، فقہ اللغۃ، النہایہ فی الکنایہ، کتاب الغرر، یتیمۃ الدہر وغیرہ۔ امام صاحب کو دربار آل سبکتگین سے خاص تعلق تھا۔ انھوں نے کتاب الغرر امیر نصر بن سبکتگین کی فرمائش پر تصنیف کی ہے یتیمۃ الدہر کے تتمہ کو سلطان مسعود کے نام پر ڈیڈیکیٹ کیا ہے۔ سنہ ۳۹ھ میں سلطان محمود کی طرف سے سفیر ہو کر خلافت بغداد میں تشریف لے گئے تا کہ سلطان کے لئے خطاب حاصل کریں۔ امام صاحب نے کامل ایک سال بغداد میں قیام فرما کر اس بارے میں کوشش کی تب خلیفہ نے سلطان کو یمین الدولہ ولی امیر المومنین کا خطاب دے کر اس کے بموجب احکام ومناشیر صادر کیے۔

ابو الخیر حسن بن الخمار[1]۔ اسلام کے دور اولین کا مشہور و معروف حکیم ہے۔ ماہ ربیع الاول سنہ ۳۳۱ھ کو بغداد میں پیدا ہوا۔ مامون خوارزم شاہ کا ندیم تھا۔ فتح خوارزم کے بعد سلطان محمود کے ہمراہ غزنین میں آیا۔ منطق فلسفہ اور طب میں اس نے پندرہ سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں مگر اس وقت ناپید ہیں۔

ابن الخمار کا سنہ وفات تحقیق نہیں ہوا۔ وسٹن فلڈ (Wustenfeld) نے تاریخ اطبائے عرب میں لکھا ہے کہ اس نے سنہ ۳۸۱ھ میں وفات پائی ہے۔ لیکن یہ صریح غلطی ہے۔ کیونکہ سلطان محمود نے سنہ ۴۰۸ھ میں خوارزم کو فتح کیا۔ اور اس کے بعد اسے اپنے ہمراہ غزنین میں لایا یقین ہے کہ سنہ ۴۰۸ھ کے بعد بھی ابن الخمار عرصہ تک بقید حیات موجود تھا۔ علامہ ابن ندیم ابن الخمار کا معاصر ہے۔ اور اپنے کتاب الفہرست میں دو جگہ اس کا ذکر کیا ہے۔ شہرزوری نے بہ نسبت دیگر تذکرہ

(بقیہ صفحہ سابق) بقید حیات موجود تھا۔ میرخوند سلاطین غزنویہ صفحہ ۲۲ فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۲۲۔

[1] عتبی طبع دہلی صفحہ ۵۵

[2] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۹۲ مفتاح السعادۃ جلد ۱ صفحہ ۲۱۳ و ۲۱۴ و ۲۱۵۔ دولت شاہ صفحہ ۴۲ بروکلمان جلد ۱ صفحہ ۲۸۴ و ۲۸۶۔

[1] ابن ندیم صفحہ ۲۴۵ و ۲۶۵ شہرزوری عربی جلد ۱ صفحہ ۲، فارسی صفحہ ۱۶۶ قفطی صفحہ ۱۶۴۔ ابن ابی اصیبعہ جلد ۱ صفحہ ۳۲۲ و ۳۲۳۔

نویسوں کے اس کے حالات کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

ابن الخمار ۔ هو ابو الخیر حسن بن بابا بن سوار بن بہنام بغدادی ۔ بہنام لفظ فارسی است

"مرکب از دو کلمہ کہ دو نام است یعنی نام خیر و نقل کردہ بود بسیارے کتب از سریانی بہ عربی و حکمت را پیش یحییٰ بن عدی خواندہ بود ۔ از خصوصیات او آں کہ ہرگاہ فقیری او را طلب میداشت پیادہ میرفت و میگفت این رفتن راہ کفارۂ در ہائے ملوک و سلاطین غساق میسازم و اگر سلطان میطلبید سوار میرفت در لباس بزرگان و غلامان ترک و اسپہائے بد دو ضاعت خود را بہ تواضع با فقرا و بہ تعاظم با بزرگان بجای آورد ۔ جالینوس و جمیع حکماء نیز این طریق سلوک میداشتند ۔

و ابن ابو الخیر در بغداد تولد یافتہ بود ۔ ماموں پسر محمد خوارزم شاہ او را پیش خوارزم شاہ برد محمود سبکتگین بر خوارزم شاہ مستولی گشت او را بغزنہ آورد ۔ روزے سلطان محمود بجہت عارضہ او را طلبید محمود واسپی از برائے سواری او فرستاد او سوار بہ بازار کفش فروشان عبور کرد و اسپ او رم کرد او را بینداخت و بکشت ۔ سلطان محمود او را ناجیہ عطا فرمود کہ آنرا ناجیہ خمار میگفتند و او را منسوب بایں بقعہ دانستہ اند ۔

او را تصانیف بسیار است در اقسام علوم حکمت بعضے از آنہا مقالہ است در توفیق میان نصاری و فلاسفہ و مقالہ است در ظاہر ساختن آرائے حکماء در باری تعالیٰ و شرائع و مقالہ است

در روز بازگشت وکتابی است درکیفیت خلق انسان داد را بقراط

ثانی سیگفتند سزاوار بود بہ ایں اسم۔

حکیم ابوریحان محمد بن احمد البیرونی[1] مشہور و معروف مورخ اور ہئیت داں ہے۔

۳ ذی الحجہ ۳۶۲ھ کو بمقام خوارزم پیدا ہوا۔ اور ۷۷ سال کی عمر میں ۳ رجب ۴۴۰ھ کو غزنین میں فوت ہوا۔ بیرونی منسوب ہے۔ بیرون خوارزم سے۔ ابوریحان چوں کہ خاص شہر خوارزم کا باشندہ نہیں تھا بلکہ حوالی خوارزم کا رہنے والا تھا اس لئے بیرونی کے لقب سے مشہور ہوا۔

امام عبدالکریم سمعانی المتوفی ۵۶۲ھ نے اپنی کتاب الانساب میں جو ابوریحان کی وفات کے قریباً سو سال بعد تالیف ہوئی ہے۔ لکھا ہے کہ۔ البیرونی بفتح الباء الموحدہ وسکون الیاء آخر الحروف وضم الراء بعد ہا الواو وفی آخر ہا نون ہذہ النسبۃ الی خارج خوارزم فان بہا من یکون من خارج البلد ولا یکون من نفسہا یقالہ فلان بیرونی است ویقال بلغتہم انبیشرک است والمشہور بہذا النسبۃ ابوریحان المنجم البیرونی۔

ابوریحان کی عمر کا ابتدائی حصہ خوارزم میں آل مامون کے دربار میں گزرا ہے۔ اسی دوران میں کچھ عرصہ کے لئے ابوریحان جرجان کو چلا گیا۔ اور وہاں شمس المعالی قابوس بن وشمگیر کے دربار میں رہا۔ سنہ ۳۹۰ھ میں اس کے نام سے آثار الباقیہ تصنیف کی سنہ ۴۰۳ھ میں جرجان سے

[1] ایڈورڈ سخاؤ (Edward Sachau) نے آثار الباقیہ کے دیباچہ میں ابوریحان کے حالات لکھے ہیں اور اس کی ترتیب میں ان تمام مضامین سے فائدہ اٹھایا ہے جو گزشتہ صدی کے اخیر ایام تک ابوریحان کے متعلق مشرق و مغرب میں لکھی گئی ہیں اور اس سے بہتر تذکرہ اب تک نہیں لکھا گیا ہے۔ سطور بالا اسی مضمون سے ماخوذ ہیں تاہم بنظر احتیاط کتب ذیل بھی ہم نے دیکھ لی ہیں۔

ابن ابی اصیبعہ جلد ۲ صفحہ ۲۰ ایلیٹ ہسٹری جلد ۲ صفحہ ۱ بروکلمن جلد ۱ صفحہ ۴۷۵ آثار الباقیہ۔ ترجمہ انگریزی دیباچہ۔

خوارزم میں واپس آیا۔ اور ۴۰۷ھ تک تقریباً سات سال ابو العباس مامون بن مامون خوارزم
شاہ کے دربار میں بسر کئے۔ سلطان محمود فتح خوارزم کے بعد ۴۰۸ھ کے موسم بہار میں غزنین کو واپس
آیا تو اپنے ہمراہ ابوریحان کو بھی غزنین میں لایا۔ گمان ہوتا ہے کہ غزنین میں آنے کے بعد سلطان
محمود کے حملوں میں شریک ہوکر ابوریحان کئی بار ہندوستان میں آیا۔ اور یہاں کے پنڈتوں سے
میل جول پیدا کرکے سنسکرت زبان سیکھی پھر ہندوستان کے علم تاریخ و جغرافیہ ہیئت اور ریاضیات
اور دیگر علوم کو حاصل کیا اس کے بعد اپنی مشہور کتاب الہند لکھنی شروع کی جو سلطان محمود
کے زمانہ میں اختتام کو پہونچی ہے۔

ابوریحان نے مختلف علوم و فنون میں متعدد کتابیں لکھی ہیں ان میں قانون مسعودی
سب سے بہترین تصنیف ہے مسلمانوں نے علم ہیئت کے متعلق اس وقت تک جو کچھ لکھا ہے
ان سب سے یہ کتاب مکمل اور بہتر تسلیم کی گئی ہے۔ آثار الباقیہ عن قرون الخالیہ میں اقوام قدیمہ کے
علم السنین کی تاریخ مذکور ہے۔ کتاب الہند میں ہندوؤں کی تاریخ اور علوم و فنون کے حالات ہیں۔
کتاب التفہیم فی صناعت التنجیم میں نجوم و ہندسہ تحریر ہیں۔ یہ کتاب ابوریحان نے خوارزم کی ایک
امیر زادی ریحانہ بنت الحسن کے نام پر تالیف کی ہے اور اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ
علمی قدردانی میں اس زمانہ کی عورتیں بھی مردوں کے دوش بدوش تھیں۔ بعض دیگر تصنیفات
کے نام یہ ہیں کتاب الارشاد فی احکام النجوم۔ کتاب الجماہر فی الجواہر۔ مقالید الہیئت۔ العجائب
الطبیعیہ وغیرہ۔ علاوہ ان کے سنسکرت کی بیس سے زیادہ کتابوں کا ترجمہ کیا یا خلاصہ لکھا ہے۔

دربار سلطان محمود کے شعرا

دربار سلطان محمود کے شعرا۔ عنصری۔ عسجدی۔ غضائری
فرخی۔ آل محتاج۔ اسدی۔ منشوری۔ بہرامی۔ امیر خاینی
بدایعی بلخی۔

حکیم ابوالقاسم حسن بن احمد العنصری[1] بلخ کا باشندہ تھا۔ ابوالمظفر امیر نصر بن سبکتگین خراسان کا گورنر تھا۔ عنصری پہلے پہل اس کی خدمت میں آیا اور اس کے توسط سے سلطان محمود کے دربار میں باریاب ہوا سلطان نے اس کی نہایت قدردانی کی اور ملک الشعرا کا خطاب دے کر دربار کے تمام شعرا کا افسر مقرر کیا۔ اس کے جاہ و جلال اور دولت و ثروت کا یہ حال تھا کہ اس کا کھانا سونے چاندی کے برتنوں میں پکتا تھا۔ اور جب مکان سے باہر نکلتا تھا تو چار سو زرین کمر غلام اس کے ہمراہ رکاب رہا کرتے تھے عام طور پر مشہور ہے کہ عنصری کے اشعار تیس ہزار سے زیادہ تھے ۱۳۰۲ھ میں طہران میں اس کا ایک دیوان چھپا ہے جس میں قصائد کے علاوہ چند غزلیات اور رباعیات بھی ہیں اور اس کے اشعار کی مجموعی تعداد تین ہزار ہے۔ عنصری نے غزلیات

[1] عوفی جلد ۲ صفحہ ۲۔ دولت شاہ صفحہ ۴۴ مجمع الفصحا جلد ا صفحہ ۳۵۵ خزانہ عامرہ صفحہ ۳۳۷۔ مرآۃ الخیال صفحہ ۴۲ آتشکدہ صفحہ ۱۴۶ فرشتہ جلد ا صفحہ ۲۹ براؤن جلد ۲ صفحہ ۱۲۰

وقصائد کے علاوہ متعدد مثنویاں بھی لکھی ہیں۔ اسدی طوسی نے اپنے لغات میں ان مثنویوں کے بعض ابیات نقل کئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاد بہر شاہنامہ کی بحر میں ہے ؎

چو سرگشتۂ غنچۂ سرخ گل   جہاں جامہ پوشید ہمرنگ ل

وامق و عذرا بہفت پیکر کی بحر میں ہے ؎

گفت کیں مردمان بیباک اند   ہمہ ہموارہ دزد و چالاک اند

ایک مطول قصیدہ میں عنصری نے سلطان محمود کے فتوحات بیان کئے ہیں۔ دولت شاہ نے لکھا ہے کہ اس قصیدہ کے ۸۰ اسّی بیت ہیں۔ لیکن دیوان کے مطبوعہ نسخہ میں کل ۶۰ ساٹھ شعر چھپے ہیں۔

تمام تذکرہ نویسوں نے باتفاق لکھا ہے کہ مسعود کے زمانہ میں ۴۳۱ھ ۱۰۳۹ء میں اس کا انتقال ہوا۔ صاحب آتشکدہ نے لکھا ہے کہ سلطان ابراہیم بن مسعود کے زمانہ میں عنصری کا انتقال ہوا۔ لیکن یہ صریح غلطی ہے کیوں کہ عنصری کی وفات کے ۲۰ سال بعد ۴۵۱ھ ۱۰۵۹ء میں ابراہیم بن مسعود تخت نشین ہوا ہے۔

ابو نصر عبد العزیز بن منصور العسجدی[۱] عوفی نے لکھا ہے کہ مرو کا باشندہ تھا۔ دولت شاہ نے ہرات کو اس کا وطن بتایا ہے۔ دربار سلطان محمود کے مشاہیر شعراء سے ہے۔ سلطان محمود جب سومنات کی مہم سے واپس آیا تو اس کی تہنیت میں عسجدی نے ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے۔

تا خوردہ بین سفر سومنات کرد   کردار خویش را علم معجزات کرد

سلطان مسعود کے زمانہ میں ۴۳۲ھ ۱۰۴۰ء میں اس کا انتقال ہوا۔

---

[۱] عوفی جلد ۲ صفحہ ۵۰۔ دولت شاہ صفحہ ۴۰۔ فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۹۳۔ مرآۃ الخیال صفحہ ۴۲۔ آتشکدہ صفحہ ۱۳۶۔ مجمع الفصحا جلد ۱ صفحہ ۳۴۴۔ براؤن جلد ۲ صفحہ ۱۲۳۔

ابو زید محمد بن علی الغضائری[۱] المروزی۔ رے کا باشندہ ہے۔ ابتدا میں اسے بہاؤ الدولہ بویہ سنہ ۳۷۹ھ تا ۴۰۳ھ کے دربار سے تعلق تھا۔ اور وہاں سے ہر سال ایک قصیدہ لکھکر سلطان محمود کی خدمت میں بھیجتا جس کے صلہ میں اسے ہزار دینار ملا کرتے تھے۔ بہاؤ الدولہ کی وفات کے بعد غزنین میں آیا۔ اور سلطان مسعود کے اوئل عہد میں سنہ ۴۲۶ھ فوت ہوا۔

غضائری کا املا عین معجمہ سے ہے۔ اس کے معنی ہیں کاشی ساز و کاسہ گر۔ اور یہ منسوب ہے غضائر سے غضائر جمع قیاسی ہے غضارہ کی۔ غضارہ کے معنی ہیں گل چسپیدہ اور وہ ظروف سفالین جن پر کاشی اور چینی سے گل بوٹے بنائے جاتے ہیں غضارہ کہلاتے ہیں۔ صاحب مجمع الفصحا نے غضائری کو بدون یا بعد الالف لکھا ہے۔ یعنی غضاری یہ غلطی ہے۔ حکیم عنصری اپنے ایک قصیدہ میں کہتا ہے۔

کجا شریف بود چوں غضائری بر تو   ز طبع باشد چونانکہ از سُرخ و سفال

برگ نے تاریخ فرشتہ کے ترجمہ میں اس کا تلفظ عین مہملہ سے ادا کیا ہے۔

جن انگریزی مصنفین نے اس کے حالات برگ کے ترجمہ سے نقل کئے ہیں۔ ان میں بھی یہ غلطی موجود ہے[۱]

ابو الحسن علی بن جولوغ الفرخی[۲] سجستان کا باشندہ ہے۔ اس کا باپ جولوغ امیر احمد خلف حاکم سجستان کا غلام تھا۔ فرخی ایک دہقان کے یہاں ملازم تھا۔ اور اس خدمت کے معاوضہ میں اسے سالانہ دو سو کیل غلہ اور سو درہم ملا کرتے تھے۔ اس نے امیر خلف کی ایک کنیز سے نکاح کر لیا۔ جس کی وجہ سے موجودہ معاش غیر کافی ثابت ہوئی۔ اور اس نے دہقان سے تین سو کیل غلہ اور ڈیڑھ سو درہم مانگے۔ لیکن دہقان نے صاف جواب دیدیا کہ اس قدر دینا قدرت سے باہر ہے۔

۱؎ فرشتہ کا انگریزی ترجمہ جلد ۱ صفحہ ۷۸۔ زندانا تمہ کی کتاب۔ ۲؎ چہار مقالہ صفحہ ۷۰ تا صفحہ ۷۲ عوفی جلد ۲ صفحہ ۴۸ دولت شاہ صفحہ ۵۵ فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۳۹ آتشکدہ صفحہ ۷۸ خزانہ عامرہ صفحہ ۳۶۷ مجمع الفصحا جلد ۱ صفحہ ۲۳۹ براؤن جلد ۲ صفحہ ۱۲۴

فرخی مایوس ہو کر سجستان سے نکلا۔ اور قسمت آزمائی کرتا ہوا ابو المظفر چغانی کے دربار میں آیا۔ اور کچھ عرصہ چغانیاں میں بسر کرنے کے بعد سلطان محمود کے دربار میں باریاب ہوا رفتہ رفتہ ایسے مراتب عالیہ حاصل کر لئے کہ جب باہر نکلتا تو بیس زریں کمر غلام سواری کے جلو میں چلا کرتے تھے۔ فرخی نے صنائع بدائع فارسی میں ایک کتاب ترجمان البلاغۃ لکھی ہے جو اس وقت ناپید ہے۔ لیکن رشید الدین وطواط نے اسے دیکھا تھا۔ اور اپنی کتاب حدایق السحر میں اس کے متعلق لکھتا ہے۔

"کتابیت در معرفت بدائع شعر فارسی کہ آنرا ترجمان البلاغت خوانند
بمن بندہ نمود بنگریستم شواہد ایں کتاب را ناخوش دیدم ہمہ از راہ تکلف
نظم کردہ وبطریق تعسف فراہم آوردہ وبا ایں ہمہ از انواع زلل وخلل
خالی نہ بود"

۴۲۹ھ میں بزمانۂ سلطان مسعود فرخی نے وفات پائی ہے۔ ابو المظفر چغانی کے بارے میں اکثر مورخین اور تذکرہ نویسوں سے غلطی سرزد ہوئی ہے۔ دولت شاہ نے اس کا نام اس طرح لکھا ہے "ابو المظفر نصر بن ناصر الدین حاکم بلخ" مورخ فرشتہ اسے سلطان محمود کا برادر زادہ لکھتا ہے۔ میر غلام علی آزاد نے اس کا نام ناصر الدین چغانی بتایا ہے۔ دالہ داغستانی اور لطف علی آذر سے بھی اسی طرح کی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ابو المظفر کا نہ تو خاندان سبکتگین سے کوئی تعلق ہے اور نہ وہ بلخ کا والی رہا ہے۔ بلکہ اس کا سلسلۂ نسب آل محتاج سے ملتا ہے۔ آل محتاج ماوراء النہر کے امرائے کبار کا ایک خاندان ہے۔ ملوک سامانیہ اور غزنویہ کے زمانہ میں ان کو خوب عروج حاصل ہو گیا تھا۔ اور چغانیاں کی حکومت ان کے خاندان میں بطور میراث چلی آتی تھی۔ ادب وتاریخ کے صفحات اُن کے حالات سے لبریز ہیں۔

ابو بکر محمد بن مظفر بن محتاج اس خاندان کا جدِ اعلیٰ ہے ۳۲۱ھ میں امیر نصر بن احمد

سامانی نے اسے جمیع عساکر خراسان کا صاحب الجیش بنایا تھا۔ ۳۲۹ھ میں جب اس کا انتقال ہو گیا تو اس کے لڑکے ابو علی احمد بن محمد کو امیر نوح بن نصر نے اُس کے باپ کی خدمت پر بحال کر دیا۔ مشہور ادیب ابو القاسم اسکاف کاتب تھا۔ ۳۳۳ھ میں کسی وجہ سے نوح بن نصر سامانی نے اسے معزول کر دیا تو اس نے امیر کے خلاف بغاوت برپا کر دی اور ایک عرصہ تک اپنی موروثی حکومت کے لئے لڑائی جھگڑے کرتا رہا یہاں تک کہ ۳۴۴ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کا لڑکا ابو المنصور بن احمد بن محمد ابتدا میں اس کا نائب تھا۔ لیکن ابو علی کی وفات پر امیر نوح نے اسے باپ کی حکومت عطا کر دی۔ اس کی وفات پر ابو المظفر طاہر بن الفضل بن محمد بن المظفر جو ابو المنصور کا چچا تھا برسر حکومت ہوا۔ طاہر بن فضل بڑا ذی علم اور ہنر پرور امیر تھا۔ شعر خوب کہتا تھا۔ بڑے بڑے شاعر دقیقی اور منجیک ترمذی وغیرہ اس کے دربار سے وابستہ تھے[1]۔ ۳۷۷ھ میں جب اس کا انتقال ہوا تو ابو علی کے لڑکے فخر الدولہ ابو المظفر احمد بن علی بن محمد کو چغانیاں کی حکومت ملی۔ اسی کے زمانہ میں فرخی چغانیاں میں آیا تھا۔ اس واقعہ کو نظامی عروضی سمرقندی نے چہار مقالہ میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

فرخی کو جب یہ معلوم ہوا کہ امیر ابو المظفر بڑا فیاض اور شعرا کا قدر دان ہے تو سیستان سے نکل کر چغانیاں میں آیا۔ امیر نے افزائش نسل کے لئے اٹھارہ ہزار گھوڑیاں رکھی تھیں اور موسم بہار میں داغ گاہ میں جا کر ان کی دیکھ بھال کیا کرتا تھا۔ امیر اس وقت داغ گاہ میں مقیم تھا۔ فرخی وہیں پہونچا عمید اسعد سے دربار میں پہونچانے کی خواہش کی۔ عمید نے جب اس کی شکل و صورت اور ظاہری حالت کو دیکھا تو اس کے شاعر ہونے کا اسے مطلق یقین نہ آیا۔ اور امتحان کے لئے اس سے ایک قصیدہ داغ گاہ کی تعریف میں لکھوایا جس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

چوں پرند نیلگوں بر روئے پوشد مرغزار ۔۔۔ پرنیاں ہفت رنگ اندر سر آرد کوہسار

---

[1] عوفی جلد ۲ صفحہ ۲۹،۲۰

محمید نے جب قصیدہ سنا تو حیران ہوگیا اور دوسرے روز اسے امیر کی خدمت میں پیش کیا۔ فرخی نے تھوڑی دیر کے بعد بآواز حزیں اپنا ایک دوسرا قصیدہ امیر کو سنایا جس کا مطلع یہ ہے ؎

باکاروان حلہ برفتم زسیستان　　　باحلہ تنیدہ ز دل بافتہ زجاں

امیر سخن شناس تھا۔ قصیدہ کو بے حد پسند کیا۔ اس کے بعد فرخی نے وہ قصیدہ پڑھا جس میں داغ گاہ کی تعریف تھی۔ امیر کو سخت حیرت ہوئی۔ اور اسی عالم میں فرخی سے کہا کہ داغ گاہ میں ہزار بچھیرے ہیں ان میں سے جس قدر تم پکڑ لو وہ سب تمہارے ہیں۔ فرخی اٹھا۔ ایک عرصہ تک سرگرداں پھرتا رہا۔ لیکن اسے ایک بچھیرے کے پکڑنے میں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ دوسرے دن امیر نے فرخی کو بلایا۔ ایک خاصہ کا گھوڑا تین اونٹ پانچ غلام اور پہننے کے کپڑے انعام عطا کئے اور بچھیروں کا وہ گلہ بھی اسے دیدیا جن کے پکڑنے کے لئے فرخی ایک عرصہ سرگرداں رہا تھا۔

حکیم ابو نصر احمد بن منصور الاسدی[۱]۔ اسدی تخلص کے دو شخص گذرے ہیں۔ احمد بن منصور الاسدی اور علی بن احمد الاسدی۔ ان میں پہلا باپ دوسرا بیٹا ہے۔ ان کے حالات لکھنے میں فارسی تذکرہ نویسوں سے بڑی غلطی ہوئی ہے۔ بلا امتیاز دونوں کو شخص واحد سمجھا ہے۔ اور ان کے حالات باہم خلط ملط کر دیئے ہیں۔

احمد بن منصور الاسدی۔ اس کا سلسلہ قدیم شاہان ایران سے ملتا ہے۔ طوس کا باشندہ اور فردوسی کا استاد تھا۔ نیز فردوسی کی بہن بھی اس سے منسوب تھی۔ مدت تک سلطان محمود کے دربار میں رہا۔ اور سلطان مسعود کے عہد میں ۴۳۲ھ ۱۰۴۱ء سے پہلے اس کا انتقال ہوا ہے۔ اس نے

---

[۱] تاریخ المعنی۔ تاریخ الفصحا۔ حوادث ۴۲۵ھ فرشتہ جلد ۲ صفحہ ۲۳ دولت شاہ صفحہ ۳۵۔ آتشکدہ ص ۵۹ مرآۃ الخیال صفحہ مجالس المومنین صفحہ ۷۔ مجمع الفصحا صفحہ ۷۔ ابرون جلد ۲ صفحہ ۳ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۲۔

اپنے قصائد کے ابتدا میں بطور تمہید مناظرات لکھے ہیں۔ ان کے بعد مدح کی جانب گریز کرتا ہے۔ ان مناظرات کی علمی دنیا میں نہایت شہرت ہے۔ منجملہ ان کے پانچ مناظروں کے متعلق جن کے عنوان یہ ہیں۔ ارض و سما۔ لیل و نہار۔ قوس و رمح۔ عرب و عجم۔ گبر و مسلمان۔ ڈاکٹر ہرمن (ایتھے) نے ایک عالمانہ مضمون لکھکر نیشنل اورینٹل کانفرنس کے پانچویں اجلاس میں پیش کیا ہے جو ۱۸۸۲ء میں بمقام برلن منعقد ہوا تھا اور اس کی روئیداد کے صفحہ ۴۸ میں چھپا ہے۔

علی بن احمد الاسدی کو ابتدا میں ملوک بویہ کے دربار سے تعلق تھا۔ پھر آذربائجان میں چلا آیا۔ اور ابو دلف کرکری رئیس اران کے مصاحبوں میں شامل ہوگیا۔ اس کے وزیر کی فرمائش سے شاہنامہ کے جواب میں گرشاسپ نامہ لکھا ہے۔ چنانچہ دیباچہ میں کہتا ہے

بمن گفت فردوسی پاک مغز	بداد است داد سخنہائے نغز
بہ شہنامہ گیتی بیاراستہ است	وزاں نامہ نام نکو خواستہ است
تو ہم شہری او راو ہم پیشہ	چو او در سخن چابک اندیشہ
ازاں ہمرہاں نامہ باستاں	بہ نظم آر خرم یکے داستاں

گرشاسپ نامہ ۴۵۸ھ میں اختتام کو پہونچا ہے۔ اور اس کا ایک ناقص و ناتمام نسخہ بمبئی میں چھپا ہے لیکن کامل کتاب[1] نہایت کمیاب اور غیر معروف ہے بعضوں نے اس کو فردوسی کی تصنیف سمجھکر شاہنامہ میں ملحق کر دیا۔ ٹرنر میکن نے بمقام کلکتہ جو شاہنامہ چھپوایا ہے۔ اس کی جلد چہارم میں یہ الحاقی حصہ بطور ضمیمہ موجود ہے۔

علی بن احمد الاسدی فارسی لغت کا سب سے پہلا مدون ہے۔ اس نے اپنی کتاب میں نادر اور غریب الفاظ جمع کئے ہیں۔ اور بالالتزام ہر لفظ کے ساتھ اساتذہ کے اشعار کو بطور

---

[1] گرشاسپ نامہ طبع بمبئی ص

شواہد نقل کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۸۹۶ء میں بمقام گوٹنگن چھپی ہے۔

اکثر تذکروں میں لکھا ہے کہ[1] فردوسی جب غزنین سے نکلا تو شاہنامہ ناتمام تھا۔ اور جب اس کا وقت رحلت قریب آیا تو اُس نے اسدی کو بلا کر شاہنامہ کو مکمل کرنے کی خواہش کی پس اسدی نے چار ہزار بیت میں تسلط عرب بر عجم کے حالات کو بیان کر کے کتاب کو ختم کر دیا۔ حقیقت میں یہ ایک فرضی کہانی ہے۔ کیوں کہ فردوسی تصنیف شاہنامہ کے بعد مدت تک زندہ رہا ہے۔ اسکے بعد عراق میں جاکر مثنوی یوسف زلیخا لکھی ہے۔ ایسی حالت میں یہ امر بعید از قیاس ہے کہ شاہنامہ کو فردوسی ناتمام رکھتا۔ اور اسدی سے اُس کو مکمل کراتا۔

ابو سعید احمد بن محمد المنشوری[2] سمرقند کا باشندہ ہے۔ سلطان محمود کے درباری شعراء میں شامل تھا۔ رشید الدین وطواط نے حدایق السحر میں لکھا ہے کہ اُس نے صنعت تلون کو مختصر کیا ہے اور خود رشیدی نے اُس کی شرح لکھی ہے جس کا نام کنز الغرائب ہے۔ صنائع لفظیہ میں تلون اُس صنعت کو کہتے ہیں کہ ایک شعر دو بحر یا زیادہ میں پڑھا جائے۔

استاد ابو الحسن علی البہرامی[3] سرخس کا باشندہ ہے۔ فن عروض و قافیہ میں سر آمد روزگار ہوا ہے۔ عوفی نے اُس کے حالات میں لکھا ہے۔

"واو را در علم شعر و معرفت آں مہارتے کامل بود خجستہ نامہ کہ در علم عروض بے نظیر است از منشات اوست۔"

بہرامی نے شعر فارسی کے متعلق کئی کتابیں لکھی ہیں۔ مثلاً غایۃ العروضیین۔ کنز القافیہ خجستہ نامہ وغیرہ یہ کتابیں اس وقت ناپید ہیں شمس الدین قیسی نے انھیں دیکھا تھا۔ اور اپنی کتاب المعجم کی تالیف میں اُن سے

---

[1] تذکرہ دولت شاہ ۵۹ [2] چہار مقالہ صفحہ ۳۵ عوفی جلد ۲ صفحہ ۴۴ حدایق السحر ورق ۱۱ مجمع الفصحا جلد ۱ صفحہ ۵۰۶

[3] چہار مقالہ صفحہ ۳۵ و ۳۸ عوفی جلد ۲ صفحہ ۵۵ و ۶۰ لغات اسدی صفحہ ۲۱ مجمع الفصحا جلد ۱ صفحہ ۱۷۳

استفادہ کیا ہے۔

بہرامی نے سنہ ۵۰۰ھ (۱۱۰۶ء) میں وفات پائی ہے۔ عوفی نے اس کو محمودی شعراء میں شمار کیا ہے۔ صاحب مجمع الفصحا کا بیان ہے۔ کہ ناصر الدین سبکتگین کا معاصر تھا۔ لیکن یہ صریح غلطی ہے۔ کیوں کہ سبکتگین نے سنہ ۳۸۷ھ (۹۹۷ء) میں وفات پائی ہے۔ اور بہرامی اُس کی وفات کے قریباً ایک سو تیرہ سال بعد سنہ ۵۰۰ھ (۱۱۰۶ء) میں فوت ہوا ہے۔

امیر بزرجمہر ابو المنصور قسیم بن ابراہیم بن منصور قائینی[1] سلطان محمود اور مسعود کے زمانہ میں گزرا ہے۔ ذی ثروت اور دولت مند امیر تھا۔ عربی فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہا کرتا تھا۔ فارسی کلام عوفی نے نقل کیا ہے۔ عربی قصاید جو سلطان محمود کی مدح میں ہیں اُن کے بعض انتخاب امام ثعلبی کی کتاب تتمۃ الیتیمہ میں مذکور ہیں۔

محمد بن محمود البدائعی[2] بلخ کا باشندہ ہے۔ سلطان محمود کی فرمایش سے اُس نے وزن تقارب میں نصیحت نامہ نوشیرواں کو منظوم کیا ہے۔ یہ کتاب اِس وقت کمیاب ہے۔ صاحب مجمع الفصحا نے اِس کے متفرق اشعار نقل کئے ہیں۔

---

[1] چہار مقالہ صفحہ ۳۵۔ عوفی جلد ۲ صفحہ ۳۴۔ مجمع الفصحا جلد ۱ صفحہ ۶۶۔

[2] مجمع الفصحا جلد ۱ صفحہ ۱۷۴۔

حکیم ابوالقاسم منصور الفردوسی۔ حالات فردوسی کے ماخذ۔ نام و نسب اور وطن پشا ہنامہ اور سلطان محمود۔ مورخین کی مختلف روایتیں۔ فردوسی کا بیان۔ شاہ نامہ کی تکمیل اور فردوسی کا غزنین سے نکلنا۔ ہرات اور طبرستان کا سفر شاہنامہ کا صلہ اور اُس سے کاروان سرائے کا تعمیر ہونا۔ فردوسی کا مدفن۔

تاریخ و تراجم کی کم و بیش تمام فارسی کتابوں میں فردوسی کے حالات مذکور ہیں[1] لیکن اِن میں جو کتابیں قدیم ہیں اور معتبر و مستند سمجھی جاتی ہیں اُن کی تفصیل یہ ہے۔

چہار مقالہ۔ اِس کا مصنف نظامی عروضی سمرقندی سلاطین آل شنسب کے دربار کا مشہور شاعر ہے۔ اور اُس نے اپنی کتاب فردوسی کی وفات کے قریباً ڈیڑھ سو سال بعد ۵۵۰ھ کے حدود میں لکھی ہے۔ اور یہ سب سے پہلی کتاب ہے جس میں فردوسی کے حالات تحریر ہیں[2]۔

---

[1] فردوسی کے حالات کے لئے کتب ذیل ملاحظہ ہوں۔

۱۔ چہار مقالہ۔ نظامی عروضی سمرقندی طبع یورپ صفحہ ۶۱

۲۔ لباب الالباب۔ نور الدین محمد عوفی طبع لیڈن جلد ۲ صفحہ ۳۵۔

۳۔ تذکرۃ الشعراء۔ دولت شاہ سمرقندی طبع لیڈن صفحہ ۶۱۔ طبع بمبئی صفحہ ۲۷ طبع لاہور صفحہ ۲۶

آثار البلاد و اخبار العباد۔ یہ کتاب سنہ ۶۷۴ھ سے پہلے تصنیف ہوئی ہے اور اس کے مصنف علاء الدین زکریا بن محمد بن محمود قزوینی نے سنہ ۶۸۲ھ میں وفات فردوسی سے قریباً تین سو سال بعد انتقال کیا ہے[1]

دیباچہ بایسنقر مرزا ابن شاہرخ بن تیمور ما ورار النہر کے خاندان تیموریہ میں ایک علم دوست اور ہنر پرور شاہزادہ گزرا ہے سنہ ۸۲۹ھ میں اُس کی فرمائش سے شعرا کی ایک جماعت نے شاہنامہ کی تصحیح کی ہے۔ اور اُس کی ابتدا میں ایک دیباچہ لکھا ہے جس میں فردوسی کی سوانح عمری ہے اور اُس میں رطب و یابس تمام روایتیں جمع کر دی ہیں[2]

(بقیہ صفحہ سابق)

۴۔ مجالس المومنین، قاضی نور اللہ شوشتری طبع طہران صفحہ ۴۱۶

۵۔ مراۃ الخیال، شیر خان لودی طبع بمبئی صفحہ ۲۵

۶۔ خزانہ عامرہ، میر غلام علی آزاد طبع لکھنؤ صفحہ ۳۶۵

۷۔ تاریخ فرشتہ، حکیم محمد قاسم فرشتہ طبع لکھنؤ جلد ا صفحہ ۳۱

۸۔ حبیب السیر، غیاث الدین خوندمیر طبع بمبئی جلد دوم جز چہارم ص ۲۹

۹۔ آثار البلاد و اخبار العباد، ذکریا قزوینی طبع لیپزک صفحہ ۲۷۰

۱۰۔ نگارستان، احمد غفاری طبع بمبئی صفحہ ۹۰۰۔

۱۱۔ آتشکدہ۔ لطف علی آذر طبع بمبئی صفحہ ۹۲

۱۲۔ مجمع الفصحا، ہدایت قلی خان ہدایت طبع طہران جلد اول ص ۳۸۲

۱۳۔ مفتاح التواریخ، طامس ولیم بیل۔ طبع لکھنؤ صفحہ

۱۴۔ نتائج الافکار، قدرت اللہ خاں گوپاموی طبع مدراس صفحہ ۳۲۲

(صفحہ سابق) [1] محمد بن حسن بن اسفندیار نے سنہ ۶۱۳ھ کے حدود میں طبرستان کی تاریخ لکھی ہے اور اس میں فردوسی کے حالات کو از اول تا آخر چہار مقالہ سے لفظ بہ لفظ نقل کیا ہے۔ قاضی احمد غفاری نے بھی اپنی کتاب نگارستان میں جو

تذکرۃ الشعراء۔ دیباچہ کے قریباً ستر سال بعد ۸۹۶ھ کے حدود میں دولت شاہ سمرقندی نے اپنا مشہور و معروف تذکرہ قلمبند کیا ہے۔ دولت شاہ کے چالیس سال بعد ۹۳۶ھ میں غیاث الدین خوندمیر نے حبیب السیر لکھی ہے اور اُس میں دولت شاہ کی تحریر کو اختصار کر کے فردوسی کا مختصر تذکرہ تحریر کیا ہے۔

ان مصنفین نے اگرچہ کہ فردوسی کے حالات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے لیکن ان کی تحریرات میں اِس قدر مختلف اور متضاد روایتیں ہیں کہ اُن کو باہم تطبیق دینا محال ہے نظامی عروضی سمرقندی اِن سب میں قدیم اور قریب العہد مصنف ہے اِس لئے اِس کی تحریر زیادہ معتبر اور قابل وقعت سمجھی گئی ہے۔ تاہم اِس سے بھی بعض مقامات پر صریح غلطیاں سرزد ہو گئی ہیں۔

۷۲

(بقیہ صفحہ سابق) ۸۲۹ھ میں تصنیف ہوئی ہے فردوسی کے تذکرہ کو چہار مقالہ سے اخذ کیا ہے اور اپنی اِس کتاب میں چہار مقالہ کو ہر جگہ مجمع النوادر کے نام سے یاد کرتا ہے ڈاکٹر ہرمن ایتھے (H.ETHE.) نے جرمن اورنٹیل سوسائٹی کے رسالہ (جلد ۴۸ صفحہ ۸۹ و ۹۴) میں فردوسی کے جو حالات شائع کئے ہیں وہ بھی حرف بحرف چہار مقالہ سے ماخوذ ہیں جرمن پروفیسر نولڈیکی (NOLDIKE.) نے فارسی زبان کے اصول پر جو کتاب لکھی ہے اُس میں بھی فردوسی کے حالات کو چہار مقالہ سے اقتباس کیا ہے گرندرس ویر ایرانیشین فلولوجی جلد ۲ صفحہ ۱۵۰

لہ ریو۔ فہرست مخطوطات عربی صفحہ ۲۰۷ و الف ۲۰۷، د ۳۰۳م۔

لہ ۱۲۳۴ھ میں بمقام کلکتہ جو شاہنامہ چھپا ہے اُس کے دیباچہ میں بالسنقر کا کامل دیباچہ شامل ہے فرنچ مستشرق جولیس موہل نے ۱۸۳۸ء میں پیرس میں جو نسخہ شائع کیا ہے اُس کے ساتھ بھی بالسنقر مرزا کے دیباچہ کا فرانسیسی ترجمہ ہے۔

دولت شاہ نے فردوسی کا نام حسن بن اسحق بن شرف شاہ لکھا ہے۔ دیباچہ میں منصور بن فخرالدین بن فرخ تحریر ہے اِس بارے میں دولت شاہ سے یقیناً غلطی ہوگئی ہے۔ اور صاحب دیباچہ نے جو نام لکھا ہے اُس کی تصدیق حکیم اسدی طوسی کی لغات سے بھی ہوتی ہے۔ اسدی چونکہ فردوسی کا ہمعصر اور خواہرزادہ ہے۔ اِس لئے اِس کی تحریر سے زیادہ کوئی دوسری معتبر شہادت نہیں ہوسکتی ہے۔ اور اُس نے ایک لفظ کی سند میں بصراحت فردوسی کا نام حکیم ابوالقاسم منصور الفردوسی لکھا ہے نام ونسب کی طرح فردوسی کے وطن میں بھی تذکرہ نویسوں نے اختلاف کیا ہے۔ دولت شاہ قریہ زران کو اُس کا وطن بتاتا ہے۔ دیباچہ میں ہے کہ قریہ شاداب میں اُس کی ولادت ہوئی تھی۔ نظامی عروضی سمرقندی بیان کرتا ہے کہ طبران[1] کے ناحیہ بازشکار[2] رہنے والا تھا۔ تاہم اِس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ طوس کی سرزمین میں پیدا ہوا۔ اور یہیں نشوونما پایا۔

فردوسی طوس کا ذی ثروت اور مالدار دہقان تھا باژ کے تمام علاقہ میں اُس کے مزروعات واقع تھے۔ اور اُن سے اِس قدر آمدنی تھی کہ فکر معاش سے ہر طرح کا اطمینان حاصل ہوگیا تھا۔ اور اُس کے اوقات علمی مشاغل میں بسر ہوتے تھے۔

فردوسی کا سب سے بڑا علمی کارنامہ شاہنامہ ہے اُس کے سبب تالیف کی نسبت تذکروں میں دو متضاد روائتیں ائی ہیں عام طور پر مشہور ہے کہ فردوسی نے غزنین میں آکر سلطان محمود کے حکم سے شاہنامہ کو لکھنا شروع کیا۔ برخلاف اِس کے نظامی عروضی سمرقندی نے یہ بیان کیا ہے کہ فردوسی نے طوس میں شاہنامہ کو لکھکر غزنین میں آیا۔ اور سلطان محمود

---

[1] طبران۔ ضلع طوس کے ایک علاقہ کا نام ہے دیاقوت صفحہ ۶۲) چہار مقالہ کا جو نسخہ طہران میں چھپا ہے اُس میں طبران کی بجائے طبرستان لکھا ہوا ہے لیکن یہ چھاپہ کی غلطی ہے مولانا شبلی نے بھی شعرالعجم جلد ا صفحہ ۳ ۹ میں اِس غلطی کی پیروی کی ہے

[2] ابن اسفندیار نے باژہ لکھا ہے۔

کی خدمت میں پیش کیا پہلی روایت کو سب سے پہلے زکریا قزوینی نے فردوسی کی وفات کے تین سو سال بعد لکھا ہے۔ اُس کا بیان ہے کہ۔

حکیم فردوسی طوس کے دہقانوں سے تھا اور زراعت کیا کرتا تھا۔ عامل زراعت نے جب اُس پر ظلم و سختی کی تو سلطان محمود کے دربار میں فریاد آیا۔ باریاب ہونے کے لئے وسیلہ کی ضرورت تھی اس زمانہ میں شعراء کو بے حد تقرب حاصل تھا۔ کیونکہ سلطان ملوک عجم کی تاریخ نظم میں لکھوانا چاہتا تھا۔ خصوصاً عنصری سلطان کا مقرب خاص تھا۔ فردوسی نے عنصری سے ملاقات کرنا چاہا ایک دن عنصری اور اُس کے ساتھ فرخی و عسجدی باغ میں بیٹھے ہوئے تھے فردوسی بھی وہاں پہونچا تو انھوں نے کہا کہ ہماری صحبت میں وہی شخص شریک ہو سکتا ہے جو شاعر ہو فردوسی نے کہا کہ میں بھی شاعر ہوں۔ تو اس پر ہر ایک نے ایک ایک مصرعہ کہا اور فردوسی سے چوتھے مصرعہ کی فرمائش کی چنانچہ۔

عنصری نے کہا	چون روے تو خورشید نباشد روشن
فرخی نے کہا	مانند رخت گل نبود در گلشن
عسجدی نے کہا	مژگانت ہمی گذر کند بر جوشن
فردوسی نے کہا	مانند سنان گیو در جنگ پشن

عنصری اور اُس کے ساتھیوں نے گیو اور جنگ پشن کی حقیقت پوچھی۔ فردوسی نے جب اُس کا قصہ بیان کیا تو سبھوں نے تحسین و آفریں کی۔ اور سلطان سے اُس کی ملاقات کا تذکرہ کیا انھیں ایام میں سلطان نے شعرائے دربار کو تاریخ ملوک العجم کے مختلف

> حکایات نظم کرنے کے لئے دیئے۔ ایک حکایت فردوسی کو بھی ملی۔ فردوسی
> کی نظم سب سے بہتر تھی۔ سلطان نے اُسے پسند کیا۔ اور کتاب اُس کے
> حوالہ کی تاکہ نظم کرے پس فردوسی نے کیومرث کے زمانہ سے کتاب کی ابتدا کی
> اور ستر ہزار بیت لکھکر یزدجرد پر اُسے ختم کر دیا۔

صاحب دیباچہ اور دولت شاہ نے بھی یہی روایت بیان کی ہے۔ لیکن ضمنی واقعات میں کسیقدر اختلاف ہے۔ زمانہ مابعد کے تذکرہ نویسوں نے اِن اختلافات کو پیش نظر رکھکر کئی اور روائتیں وضع کی ہیں۔ جنہیں امین رازی، تقی کاشی، لطف علی آذر، میر غلام علی آزاد اور صمصام الدولہ نے اپنے تذکروں میں کمال شرح وبسط سے بیان کیا ہے لیکن اِن کے اعادہ سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اِس لئے ہم انہیں قلم انداز کرتے ہیں۔

نظامی عروضی سمرقندی کی روایت سب سے مختلف اور بہت کم مشہور ہے۔ اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ

> فردوسی کو صرف ایک لڑکی تھی۔ اور شاہنامہ کو اِس لئے نظم کرنا شروع کیا۔ کہ اُس کے صلہ سے لڑکی کا سامان جہیز مہیا کرے پچیس سال اس تصنیف میں مصروف رہا۔ یہاں تک کہ کتاب تمام ہوئی حیی[1] قتیبہ طوس کا عامل تھا۔ اُس نے دوران تالیف میں فردوسی کی سرپرستی کی اور مزروعات کا خراج معاف کر دیا۔ علی دیلم کاتب اور بودلف

---

[1] چہار مقالہ کے مطبوعہ نسخہ میں حیی قتیبہ لکھا ہے لیکن ابن اسفندیار کی تاریخ طبرستان میں حسین قتیب درج ہے اور یہی صحیح ہے اس کی تصدیق خود شاہنامہ کے ایک بیت سے بھی ہوتی ہے۔

حسین قتیبہ است زآزادگان | کہ ازمن نخواہد سخن رایگاں

> راوی تھا۔ علی ویلم نے جب شاہنامہ کو سات جلدوں میں لکھکر ختم کیا تو
> فردوسی کتاب اور ابودلف کو ساتھ لیکر طوس سے غزنین میں آیا اور
> خواجہ بزرگ احمد حسن میمندی کے توسط سے خدمت سلطانی میں باریاب
> ہوکر شاہنامہ کو پیش کیا۔

قاضی نوراللہ شوشتری نے جو جہانگیر کے عہد میں سنہ ۱۰۱۹ھ میں بمقام لاہور فوت ہوئے ہیں تراجم رجال میں مجالس المومنین کے نام سے ایک نفیس کتاب تصنیف کی ہے اور اس میں فردوسی کا تذکرہ کسی قدر تحقیق سے لکھا ہے ابتدا میں چہار مقالہ دیباچہ اور دولت شاہ کے تمام روایات جمع کئے ہیں۔ پھر شاہنامہ سے چند ابیات انتخاب کرکے اُوسی بنیاد پر ان تمام روایات کی تنقید کی ہے اور آخر میں یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ فردوسی نے طوس میں شاہنامہ کی ابتدا کی کچھ عرصہ کے بعد غزنین آکر اوسے سلطان محمود کی خدمت میں پیش کیا اور جب کتاب تمام ہوئی تو اُوس میں سلطان کے مدحیہ اشعار اضافہ کئے۔

اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ مورخین اور تذکرہ نویسوں کے تحریرات کا اقتباس ہے اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ خود فردوسی نے تصنیف شاہنامہ کی نسبت کیا بیان کیا ہے اگرچہ کہ شاہنامہ میں کوئی مستقل بیان سبب تصنیف کے عنوان سے نہیں ہے۔ تاہم مختلف مقامات پر جستہ جستہ ابیات ایسے موجود ہیں کہ اُون سے شاہنامہ کے سبب تصنیف پر کافی روشنی پڑتی ہے اور یہ بیان سب سے زیادہ معتبر اور قابل وثوق ہے۔

فردوسی نے خاتمہ میں صراحت کی ہے۔ کہ شاہنامہ سنہ ۴۰۰ھ میں (۳۵) سال کی مدت میں ختم ہوا ہے۔ اسوقت اوس کی عمر اسی سال کی تھی۔

سی و پنج سال از سرای سپنج — بسے رنج بردم بامید گنج
چو بر باد دادند رنج مرا — نبد حاصلی سی و پنج مرا

کنون عمر نزدیک ہشتاد شد | امیدم بہ یکبارہ برباد شد
سر آمد کنون قصۂ یزدگرد | بہ ماہ سفندار مذ روز ارد
ز ہجرت شدہ پنج ہشتاد بار | کہ گفتم من این نامۂ شاہوار

اس اعتبار سے معلوم ہوتا ہے کہ فردوسی ۳۲۲ھ کے قریب پیدا ہوا اور ۵۴ سال کی عمر میں ۳۷۶ھ کے قریب شاہنامہ کی تدوین شروع کی۔ اس وقت سامانی خاندان کے آٹھویں بادشاہ نوح بن منصور[۱] کی حکومت تھی۔ یہ بادشاہ ۱۱ شوال ۳۶۵ھ م ۹۶۵ء کو برسر حکومت ہوا اور اکیس سال نو مہینے حکومت کرنے کے بعد ۱۳ رجب ۳۸۷ھ م ۹۹۷ء کو انتقال کیا۔[۱] اس کی حکومت کے دوسرے سال فردوسی نے شاہنامہ کی تدوین کا ارادہ کیا۔ لیکن اسے کئی دقتیں پیش آئیں ان میں سب سے زیادہ مشکل کام تاریخ ملوک عجم کا مہیا کرنا تھا اس زمانہ میں اس کے ایک ہم وطن دوست[۲] نے ایک کتاب مہیا کر دی جس میں ملوک عجم کے واقعات تحریر تھے۔ الغرض فردوسی نے کام شروع کیا۔ ابو المنصور[۳] بن محمد نے اس کی سرپرستی کی ابو المنصور طوس کا گورنر تھا اس نے فردوسی کے ساتھ مہربانی اور فیاضی سے کام لیا اور شاہنامہ کی تدوین کے لئے جرأت دلاتا رہا۔ تھوڑی مدت میں اس کا انتقال ہو گیا تو فردوسی کی ہمت پست ہو گئی لیکن اس کے اس مشورہ پر نظر کر کے کہ جب شاہنامہ ختم ہو جائے تو اسے کسی بادشاہ کے خدمت میں پیش کرنا چاہیئے شاہنامہ کی تدوین میں برابر مصروف رہا۔

---

[۱] صبحی ترجمہ اردو صفحہ ۵۶ روضۃ الصفا جلد ۴ صفحہ ۲۸

[۲] دیباچہ میں اس رفیق کا نام محمد لشکری لکھا ہے۔

[۳] ابو المنصور کا نام سبکتگین تھا اس کے مرنے کے بعد ارسلان جاذب طوس کا گورنر مقرر ہوا ہے۔ پروفیسر نولدیکی اور براؤن نے اسے امیر ابو المنصور بن عبد الرزاق سمجھا ہے جو ۳۴۹ھ سے پہلے تک طوس کا گورنر تھا لیکن یہ انکی غلطی ہے

سرگذشت دقیقی

به نظم آرم این نامه را گفت	از و شادمان شد دل انجمن
یکایک از و بخت برگشته شد	بدست یکے بنده برگشته شد
زگشتاسپ وارجاسپ بیتی هزار	بگفت و سرآمد بر و روزگار
برفت او وایں نامه ناگفته ماند	چناں بخت بیدار او خفته ماند

بنیاد نهادن کتاب

دل روشن من چو برگشت ازوے	سوے تخت شاه جهان کرد روے
که ایں نامه را دست پیش آورم	ز دفتر بگفتار خویش آورم
بپرسیدم از هر کسے بیشمار	بترسیدم از گردش روزگار
بریں گونه یک چند بگذاشتم	سخن را نهفته همی داشتم
ندیدم کسی کش سزاوار بود	بگفتار ایں مر مرا یار بود
به شهرم یکے مهربان دوست بود	تو گفتی که با من بیک پوست بود
مرا گفت خوب آمد ایں رائے تو	به نیکی خرامد مگر پائے تو
نوشته من این نامهٔ پهلوی	به پیش تو آرم مگر نغنوے
شو ایں نامهٔ خسرواں بازگوے	بدیں جوے نزد مهاں آبروے
چو آورد ایں نامه نزدیک من	برافروخت ایں جان تاریک من

ستایش ابوالمنصور بن محمد

بدیں نامه چوں دست کردم دراز	یکے مهتری بود گردن فراز

مرا گفت کز من چہ آید ہمی | کہ جانت سخن برگز اید ہمی
چنان نامورگم شد از دست من | چو از باد سرو سہی در چمن
گرفتار دل زو شدہ نا امید | روان لرز لرزان بہ کردار بید
یکی پند آن شاہ یاد آورم | ز کثری روان سوی داد آورم
مرا گفت کاین نامہ شہریار | اگر گفتہ آید بہ شاہان سپار
دل من بگفتار او رام شد | روانم بدین شاد پدرام شد
چون جان رہی پند او گیر دیاد | دلم گشت از پند او را د و شاد

ابو المنصور کے بعد اور محمود کے دربار میں آنے سے پہلے اکثر ارباب ہمم نے فردوسی کی سرپرستی کی ہے۔ ان میں علی ویلم۔ بودلف۔ حسین بن قتیبہ خاص اس کے ہموطن تھے اور ان سے فردوسی کو ہمیشہ مدد ملا کرتی تھی۔ حسین بن قتیبہ طوس کا عامل تھا اور اس نے فردوسی کے مزروعات کا خراج معاف کر دیا تھا۔

ازین نامور نامداران شہر | علی ویلم و بودلف راست بہر
حسین قتیبہ است ز آزادگان | کہ از من نخواہد سخن رائیگان
ازویم خور و پوشش و سیم و زر | ازو یافتم جنبش و پا و پر
نیم آگہ از اصل و فرع خراج | ہمی غلطم اندر میان دواج

امیر احمد بن سہل مرو کا حاکم تھا اس کے دربار میں ایک مجوسی عالم آزاد سرو نام سام نریمان کی اولاد سے تھا اور اوسے ملوک عجم کی گذشتہ تاریخ ازبر تھی۔ فردوسی مرو میں احمد سہل کے پاس پہونچا اور اثنائے قیام میں آزاد سرو کے تاریخی معلومات سے استفادہ حاصل کیا۔ اور اوس کی روایت کے بموجب کشتہ شدن رستم کی داستان شاہنامہ میں لکھی

کنون کشتن رستم آریم پیش | ز دفتر ہمیدون ز گفتار خویش
یکی پیر بد نامش آزاد سرو | کہ با احمد سہل بودی بمرو

به سام نریمان کشیدش تراد | بسی داشتی رزم رستم بیاد
بگویم سخن آنچه زو یافتم | سخن را یک اندر دگر بافتم

فردوسی نے ایک عرصہ اسی طرح گزارا۔ ۲۵ سال کی مدت میں شاہنامہ کے پہلے ایڈیشن کو مکمل کر کے امیر احمد بن ابی بکر حاکم خان لنجان[1] کے دربار میں پہونچا اور اوسے ۳۸۹ھ میں اوس کے نام سے نامزد کیا[2]

چو شد اسپری داستان بزرگ | سخنہاے ان خسروان سترگ
بروز سیم شنبدی چاشت گاہ | شدہ پنج رہ پنج روزان زماہ
کہ تازیش خواند محرم بنام | کہ ازار جمندیش ماہ حرام
اگر سال نیز آرزوت آمدہ است | ہم سال وہشتاد و باسیصد است
ہمایون نہاد و پسندیدہ گل | خرد مند وارسیدہ ونیک دل
گرانمایہ احمد کہ ہم سال او | بجوید ہر جا از و آل او
زبابا ش جوئی تو نام درست | ابو بکر ش آخر محمد نخست
بپا ہانی و خان نشستن گہش | ہنیز و بزرگان ستودہ دہش
چو در خان لنجان فراز آدم | بہر ج ؟ بگوئی نیا ز آدم

سن ۳۸۹ھ میں ایلک خان نے بخارا پر قبضہ کر لیا تو سلطنت سامانیہ کا چراغ گل ہو گیا اور اس سیاسی انقلاب سے جیحون کے جنوب میں مشرقی ایران کے تمام علاقہ جات

---

[1] حکیم ناصر خسرو نے اپنے سفرنامہ (طبع دہلی صفحہ ۱۲۰) میں کہا ہے کہ خان لنجان نواح اصفہان میں سات فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے۔

[2] یہ اشعار شاہنامہ کے مطبوعہ نسخوں میں نہیں ہیں لیکن ایک قدیم قلمی نسخہ میں موجود ہیں جو برٹش میوزیم میں او۔آر۔ ۱۴۰۳ پر ہے اور جسکی کتابت ماہ رمضان ۸۴۱ھ میں ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو چارلس ریو کی فہرست جلد دوم صفحہ ۵۳۴ و ۵۳۵

سلطان محمود کے قبضہ میں آگئے اور اس کا شمار عظیم الشان بادشاہوں میں ہونے لگا فردوسی نے صلہ کثیر کی توقع سے دربار محمود کا رخ کیا اور اپنی تصنیف کو ساتھ لیکر غزنین میں آیا اس زمانہ ابو العباس فضل بن احمد اسفرائینی وزیر تھا۔ فضل بن احمد قدیم شاہان ایران کی نسل سے تھا فارسی اسکی مادری زبان تھی اور اسکو اس کے ساتھ اسقدر لگاؤ تھا کہ سلطنت کے توقیع ومناشیر کو جو عربی میں لکھے جاتے تھے فارسی میں لکھوانا شروع کر دیا تھا۔

فردوسی شاہنامہ کو لیکر اس کے یہاں پہونچا تو اس نے اس خیال سے کہ یہ کتاب فارسی میں ہے اور اس میں اس کے آبا واجداد کے کارنامے مذکور ہیں فردوسی کی قدر کی اور دربار سلطانی تک اسکو پہونچا دیا۔ داستان کیخسرو کے خاتمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ فردوسی جس وقت غزنین میں آیا ہے تو اس کی عمر انہتر [69] سال کی تھی اسی بنیاد پر فردوسی کا دربار سلطانی میں پہونچنا ۳۹۷ھ ۱۰۰۶ء یا ۳۹۸ھ ۱۰۰۸ء کا واقعہ ہے۔

جہاندار محمود کاندر نبرد	سر سرکشاں اندر آرد بہ گرد
جہاں تا جہاں باشد او شاہ باد	بلند اخترش افسر ماہ باد
کہ آرایش چرخ رخشندہ اوست	بہ بزم اندرون ابر بخشندہ اوست
خرد ہست وہم نیک نامی و داد	جہان بے سر و افسر او مباد
سپاہ و دل و گنج و دستور ہست	ہماں رزم و بزم و ہماں سور ہست
یکے فرش گسترده شد در جہاں	کہ ہرگز نشانش نگردد نہاں
کجا فرش را مسند و مرقد است	نشستن گہ فضل بن احمد است
بندہ خسرواں را چناں کرد خدای	بہ پرہیز و داد و بدین و برائے
کہ اہام ایں بادشاہی بہ اوست	کہ او بر سر نامداراں نکوست
کشادہ زبان و دل پاک دست	پرستندۂ شاہ و یزداں پرست

ز دستور فرزانهٔ دادگر   پراگنده رنج من آمد بسر
بپیوستم این نامهٔ باستان   پسندیده از دفتر راستان
که روزی به پیری مرا بر دهد   بزرگی و دینار و افسر دهد
ندیدم جهاندار بخشنده   بگاه کیان بر درخشنده
همی داشتم تا کی آید پدید   جوادی که جودش نخواهد کلید
چنین سال بگذاشتم شصت و پنج   بدرویشی و زندگانی برنج
چو پنج از بر سال شصتم گذشت   بدان سان که باد بهاری بدشت
من از شصت و شش سست گشتم چو مست   بجای عنانم عصا شد بدست
رخ لاله گون گشت برسان ماه   چو کافور شد رنگ ریش سیاه
ز پیری خم آورد بالای راست   هم از نرگسان روشنائی بکاست
بدانگه که بد سال هفتاد و هشت   جوان بودم و چون جوانی گذشت
خروشی شنیدم ز گیتی بلند   که اندیشه شد پیر و من بی گزند
که ای نامداران و گردنکشان   که جست از فریدون فرخ نشان
فریدون بیدار دل زنده شد   زمین و زمان پیش او بنده شد
بداد و بخشش گرفت این جهان   سرش برتر آمد ز شاهنشهان
از آن پس که گوشم شنید آن خروش   نخواهم نهادن بآواز گوش
بپیوستم این نامه بر نام اوی   همه مهتری باد فرجام اوی
که باشد به پیری مرا دستگیر   خداوند شمشیر و تاج و سریر
همی خواهم از کردگار بلند   که چندان بماند تنم بی گزند
که این نامه بر نام شاه جهان   بگویم نمانم سخن در نهان
یکی بندگی کردم ای شهریار   که ماند ز تو در جهان یادگار

بناہاے آباد گرد و خراب — ز باران و از تابش آفتاب
پے افگندم از نظم کاخی بلند — کہ از باد و باران نیابد گزند

فردوسی ۳۹۵ھ کے بعد جبکہ اوسکی عمر ستہتر سال سے متجاوز ہو گئی تھی محمود کے دربار میں آیا۔ اور شاہنامہ پر نظر ثانی کرکے اوس کے دوسرے ایڈیشن کو سن ۴۰۰ھ میں ختم کیا۔ اور اوسے سلطان محمود کے نام سے نامزد کیا۔

چو بر باد دادند رنج مرا — نبد حاصلی سی و پنج مرا
کنون عمر نزدیک ہشتاد شد — امیدم بہ یکبارہ برباد شد
سر آمد کنون قصۂ یزدگرد — بماہ سفندارمذ روز ارد
ز ہجرت شدہ پنج ہشتاد باد — کہ گفتم من این نامۂ شاہوار
تن شاہ محمود آباد باد — سرش سبز باد او دلش شاد باد

شاہنامہ ختم کرنے کے بعد پانچ سال تک فردوسی سلطان محمود کے دربار میں رہا۔ اسوقت تک اوسے کوئی صلہ نہیں ملا تھا پچاسی سال کی عمر میں ۴۰۵ھ میں دقیقی کے ایک ہزار ابیات کو شاہنامہ میں شامل کیا۔ اس کے بعد اوسکے کلام سے اپنے کلام کا مقابلہ کرکے سلطان کو اپنی محنت پر توجہ دلاتا ہے۔ اور امید کرتا ہے کہ اس محنت کا صلہ سلطان ضرور سرفراز کریگا۔

چنان دید گوینده یک شب بخواب — کہ یک جام مے داشتی چون گلاب
دقیقی ز جائے پدید آمدے — بر آن جام مے داستانہا زدی
بفردوسی آواز دادی کہ مے — مخور جز بآئین کاوس کے
کہ شاہی گزیدی بہ گیتی کہ بخت — بدو نازد و تاج و دیہیم و تخت
شہنشاہ محمود گیرندہ دہر — ز گنجش بہر کس رسانیدہ بہر
از امروز تا سال ہشتاد و پنج — بکاہدش رنج و نبالدش گنج

دقیقی کا کلام ختم کرنے کے بعد کہتا ہے۔

دقیقی رسانید اینجا سخن — زمانہ برآورد عمرش بہن

بہ گیتی نماندہ است ازو یادگار — مگر این سخن ہائے ناپائیدار

چو این نامہ افتاد در دست من — بساہی گرائیدہ شد شست من

نگہ کردم این نظم چست آمدم — بسے بیت ناتندرست آمدم

من این را نوشتم کہ تا شہریار — بداند سخن گفتن نابکار

دو گوہر بد این با دو گوہر فروش — کنون شاہ دارد بہ گفتار گوش

من این نامہ فرخ گرفتم بفال — بسی رنج بردم بہ بسیار سال

ندیدم سرافراز بخشندہ — بگاہ کیاں بر در خشندہ

سخن را نگہ داشتم سال بیست — بدان تا سزاوار این گنج کیست

جہاندار محمود با فر جود — کہ او را کند ماہ کیوان سجود

سرنامہ را نام او تاج گشت — بفرش دل تیرہ چون عاج گشت

شاہنامہ کی تکمیل کے بعد سلطان محمود نے کیا قدر دانی کی۔ اور فردوسی کو کیا کیا واقعات پیش آئے فردوسی کی تصنیفات میں اِن باتوں کی کوئی صراحت نہیں ہے۔ یوسف زلیخا کی تمہید سے صرف اِسقدر معلوم ہوتا ہے کہ شاہنامہ لکھنے کے بعد غزنین سے عراق میں آیا۔ اور وہاں کے کسی امیر کی فرمائش سے یوسف زلیخا کے افسانہ کو منظوم کیا۔ تذکروں میں کئی واقعات لکھے ہیں لیکن وہ اِس قدر مختلف و متناقض ہیں کہ کسی پر بھی اعتبار نہیں ہو سکتا ہے نظامی عروضی سمرقندی چونکہ قریب العہد مصنف ہے اِس لئے ہم نے اُس کی روایت اختیار کی ہے لیکن دیگر مصنفین نے اِس کے خلاف جو کچھ لکھا ہے ضمناً اُن کا بھی ذکر کرتے ہیں۔

نظامی عروضی سمرقندی کا بیان ہے کہ خواجہ احمد حسن فردوسی کا سرپرست تھا۔ اور دربار میں جماعت کثیر اُس کی مخالف تھی محض اِسی بنیاد پر اُن لوگوں کو فردوسی سے بھی بغض

وحسد پیدا ہو گیا تھا۔ بادشاہ نے جب اُن سے دریافت کیا کہ فردوسی کو شاہنامہ کا کیا صلہ دینا چاہیئے۔ تو اُن لوگوں نے کہا کہ پچاس ہزار درم کافی بلکہ زیادہ ہیں کیونکہ فردوسی رافضی ہے اور معتزلی مذہب رکھتا ہے۔ سلطان متعصب آدمی تھا جب یہ بات سنا تو صرف چھ ہزار درم[1] فردوسی کے پاس بھیجے۔ اِس سے فردوسی کو سخت ملال ہوا۔ اور ساری رقم کوٹھے لٹا دیا۔[2]

یہ واقعہ جب سلطان کو معلوم ہوا تو سخت غضب ناک ہوا۔ فردوسی ہراسان ہو کر

---

[1] ابن اسفندیار کی تاریخ میں عطیہ کی تعداد بیس ہزار درہم لکھی ہے۔

[2] یہ روایت دوسری کتابوں میں مختلف انداز سے تحریر ہے۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ فردوسی نے جب سلطان کی خدمت میں شاہنامہ پیش کیا تو اس کے صلہ میں سلطان نے ایک بار فیل زر وطلا دینے کا حکم دیا۔ لیکن وزیر نے اِس کو ضرورت سے زیادہ سمجھکر ایک بار فیل چاندی اُس کے یہاں روانہ کی دیباچہ میں تحریر ہے کہ سلطان نے خواجہ حسن میمندی کو حکم دیا کہ جب شاہنامہ کے ہزار بیت تیار ہو جائیں تو ہزار مثقال طلا دیا جائے۔ لیکن فردوسی نے صلہ کو متفرق طور پر لینے سے انکار کیا اور خواہش کی کہ تکمیل کتاب کے بعد یک مشت رقم دیجائے۔ الغرض فردوسی ساٹھ ہزار بیت میں شاہنامہ کو ختم کیا۔ اور ایاز کے معرفت کتاب کو خدمت سلطانی میں بھیجا۔ سلطان نے صلہ کے عطا کرنے کی اجازت دی۔ حسن میمندی کو فردوسی سے عداوت تھی۔ اِس لئے اُس نے سکہ طلا کے عوض ساٹھ ہزار سکہ نقرہ ایاز کو دیئے تاکہ اُسے فردوسی کے یہاں پہنچا دے۔ ایاز جب صلہ لیکر آیا تو فردوسی حمام میں تھا۔ زر نقرہ کو دیکھکر اُسے سخت ملال ہوا۔ بیس ہزار درہم حامی کو اور بیس ہزار ایاز کو دیئے اور راستہ میں باقی بیس ہزار درہم سے ایک پیالہ شراب خرید کی۔ دولت شاہ نے بیان کیا ہے کہ ایاز کو فردوسی کے ساتھ خصومت تھی اور ہمیشہ سلطان سے اُس کی برائی کیا کرتا تھا۔ ایک موقع پر عرض کیا کہ فردوسی رافضی ہے۔ سلطان چونکہ متعصب سنی تھا۔ اِس لئے سخت برہم ہوا۔ اور اُسے قتل کرانا چاہا۔ فردوسی نے قدموں پر گر کر معذرت کی تو سلطان اُسے تو معاف کر دیا۔ لیکن دل صاف نہیں ہوا اور جب شاہنامہ ختم ہوا تو سلطان نے صرف ساٹھ ہزار درہم اُس کے یہاں روانہ کئے فردوسی کو صلہ گراں کی توقع تھی جب سکہ نقرہ کو دیکھا تو

غزنین سے ہرات میں آیا۔ اور ازرقی شاعر کے باپ اسمٰعیل وراق[۱] کے گھر میں چھ ماہ تک روپوش رہا سلطانی جاسوس جب فردوسی کی تلاش میں ناکام ہوکر واپس ہو گئے۔ تو فردوسی[۲] کو کسیقدر اطمینان ہوا۔ ہرات سے نکل کر طوس میں آیا اور کچھ عرصہ کے بعد شاہنامہ کو لیکر طبرستان میں پہنچا۔ یہاں آل باوند کے بادشاہ سپہبد شہریار[۳] کی حکومت تھی۔ اور یہ یزدجرد ساسانی کی نسل سے تھا۔ فردوسی شہریار کے دربار میں حاضر ہو کر سلطان محمود کی ہجو کو سنایا۔ اس کے بعد ایک سو بیت شہریار کی مدح میں لکھکر شاہنامہ میں اضافہ کئے۔ اور اُسے شہریار کے نام سے نامزد کرنے کی خواہش کی۔ شہریار نے فردوسی کی خاطر تواضع کی۔ اور کہا کہ تو مرد شیعہ ہے اس لئے ملول خاطر مت ہو۔ کیونکہ جو لوگ خاندانِ پیغمبر سے تولی رکھتے ہیں اُنہیں دنیا سے

(بقیہ صفحہ سابق) رنجیدہ ہو کر غزنین سے چلا گیا۔

۱؎ دولت شاہ نے اسمٰعیل وراق کے بجائے ابوالمعالی صحاف کا نام لکھا ہے۔

۲؎ دیباچہ میں لکھا ہے کہ فردوسی غزنین سے قہستان میں آیا۔ اور یہاں کے حاکم ناصر ملک سے اپنی سرگذشت بیان کی اور سلطان کی ہجو میں سو بیت لکھکر اُسے سنائے۔ ناصر ملک نے دو لاکھ درہم دیکر ہجو کے اشعار لے لئے اور ایک عریضہ سلطان کی خدمت میں روانہ کیا۔ اور اس میں فردوسی کی سفارش تحریر کی۔ اس کے بعد فردوسی قہستان سے ماژندران میں آیا۔ دولت شاہ کا بیان چہار مقالہ کے موافق ہے۔ اس میں بھی ناصر ملک کا واقعہ نہیں ہے۔ دیباچہ میں طبرستان کی بجائے ماژندران اور دولت شاہ میں رستم دار درج ہے۔ اور اصل میں یہ تینوں نام ایک ہی ملک کے ہیں

۳؎ صاحب دیباچہ اور دولت شاہ نے اسپہبد کا خاص نام تحریر نہیں کیا ہے صرف اس قدر لکھا ہے کہ وہ منوچہر بن قابوس وشمگیر کی اولاد سے تھا۔ لیکن یہ صریح غلطی ہے۔ چہار مقالہ کے مطبوعہ نسخوں میں اس کا نام شیرزاد درج ہے۔ لیکن یہ کتابت کی غلطی ہے۔ اور صحیح نام شہریار ہے۔ کیونکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ سلطان محمود کے زمانہ میں آل باوند سے جو بادشاہ طبرستان میں حکمران تھا اُس کا نام شہریار بن شروین بن رستم بن سرخاب ہے (شرح یمینی صفحہ ۳۹۲ و ۳۹۵ ابن اثیر حوادث سنہ ھ) ابن اسفندیار نے اپنی تاریخ طبرستان میں لکھا ہے "شہریار مدت دراز بماند تا درعہد شمس المعالی

سروکار رکھنا زیبا نہیں ہے۔ سلطان محمود میرا آقا ہے۔ شاہنامہ کو اُسی کے نام پر رہنے دے
اور ہجو کو مندرس کردے۔ اِس کے معاوضہ میں قلیل رقم دیتا ہوں امید ہے کہ سلطان تجھے
یاد فرماکر ضرور قدردانی کریگا۔ دوسرے روز شہریار نے ایک لاکھ[1] درہم فردوسی کو عنایت
کئے اور کہا کہ ایک ہزار درہم کے حساب سے یہ ہجو کی قیمت ہے۔ فردوسی نے ہجو کے کل اشعار
شہریار کو دے دیئے جسے اُس نے تلف کردیا۔ چند شعر جو باقی رہ گئے تھے وہ یہ ہیں۔

مرا غمز کردند کان پرسخن	بمہر نبی و علیؓ شد کہن
اگر مہر شان بن حکایت کنم	چو محمود را صد حمایت کنم
پرستار زادہ نیاید بہ کار	دگرچند باشد پدر شہریار
ازاین در سخن چند رانم ہمی	چو دریا کرانہ ندانم ہمی
بہ نیکی نبُد شاہ را دستگاہ	دگرنہ مرا برنشاندی بگاہ
چو اندر تبارش بزرگی نبود	ندانست نام بزرگاں شنود

اِس واقعہ کے بعد فردوسی طوس میں واپس چلا آیا[2]

سنہ ۵۱۰ھ میں میں نے نیشاپور میں سنا ہے۔ اور اِس واقعہ کو طوس میں امیر عبدالرزاق

(بقیہ صفحہ سابق) قابوس بن وشمگیر و نیز در عہد سلطان محمود یمین الدولہ" شہریار سنہ ۴۳۲ھ میں برسرحکومت ہوا ہے کوہستان فریم میں اُس کی حکومت تھی امیر قابوس کی اولاد سے نہیں بلکہ اُس کا معاصر تھا۔ مزید صراحت کے لئے دیکھو موسیو شیفر کی کتاب کرشماتی دی پرسان جلد ا صفحہ ۱۲۸ اور مرزبان نامہ مقدمہ ناشر کتاب صفحہ ۱۰ و ۱۱۔

[1] دولت شاہ نے ایک سو ساٹھ مثقال طلا لکھا ہے۔ [2] دیباچہ میں تحریر ہے کہ فردوسی طبرستان سے بغداد میں آیا اور مدت تک خلیفہ کے دربار میں باریاب رہا۔ لیکن خلیفہ اور اہل بغداد نے اِس وجہ سے اُسکی طرف التفات نہیں کیا کہ اُس نے شاہنامہ میں مجوسیوں کی مدح لکھی ہے اِس پر فردوسی نے یوسف زلیخا کے فسانہ کو نظم کیا جب یہ حال خلیفہ کو معلوم ہوا تو اُس نے فردوسی کو خلعت سے سرفراز فرمایا لیکن یہ واقعہ محض فسانہ اور فردوسی کے تصریحات کے خلاف ہے۔

نے امیر معزی سے بیان کیا تھا کہ سلطان محمود ہندوستان کی مہم سے واپس آرہا تھا راستہ میں ایک سرکش اور باغی سردار کا قلعہ ملا۔ سلطان نے اُسے اطاعت قبول کرنے کے لئے نامہ لکھا دوسرے روز جب قاصد سلطانی واپس آیا تو سلطان نے خواجہ بزرگ احمد حسن میمندی سے پوچھا کہ کیا کرنا چاہیئے خواجہ نے جواب میں فردوسی کا یہ شعر پڑھا۔

اگر جز بکام من آید جواب — من و گرز و میدان و افراسیاب

سلطان نے دریافت کیا کہ یہ شعر کس کا ہے۔ تو اس پر خواجہ نے عرض کیا کہ فردوسی کا ہے بیچارہ نے پچیس سال محنت کی لیکن اُس کا ثمرہ نہیں ملا سلطان نے کہا کہ اس کا مجھے بھی افسوس ہے کہ بیچارہ صلہ سے محروم رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد سلطان جب غزنین آیا تو ساٹھ ہزار دینار[1] فردوسی کے یہاں روانہ کئے قاصد صلہ کو لیکر طبران میں پہنچا۔ اور دروازۂ رودبار سے شہر[2] میں داخل ہوا اور دوسرے دروازہ سے جس کا نام رزان تھا۔ لوگ فردوسی کا جنازہ لیکر نکلے اور شہر کے باہر ایک باغ[3] میں جو اُسی کی ملک میں سے تھا لاش کو دفن کیا۔ اور میں نے بھی ۵۱۰ھ میں اُس کے مدفن کی زیارت کی ہے[4]

فردوسی کو صرف ایک لڑکی تھی قاصد سلطانی نے عطیہ نذر کرنا چاہا۔ لیکن اُس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو سلطان کے ایما سے یہ رقم خواجہ ابو بکر کرامی کے حوالہ کی تاکہ اسکے صرفہ سے فردوسی کے یادگار میں ایک عمارت تعمیر کرائی جائے پس امام صاحب نے اِس رقم کو صرف کرکے مرو اور نیشاپور کے راستہ میں ایک کاروان سرائے تعمیر کرائی۔ جو آج تک موجود ہے۔ اور رباط چاہہ[5] کے نام سے نامزد ہے۔

---

[1] دولت شاہ نے لکھا ہے کہ سلطان بارہ شتر زر سرخ سے بار کرکے فردوسی کے پاس روانہ کئے۔

[2] شہر طوس کے ایک حصہ کا نام ہے (بار بی دی مینارڈ صفحہ ۳۷)

[3] ابن اسفندیار کی تاریخ میں باغ کا نام باغ فردوسی تحریر ہے۔

باب ہفتم

فردوسی کے تصنیفات۔ شاہنامہ۔ شاہنامہ کا ماخذ۔ ایران کا تاریخی ذخیرہ۔ مورخین کے بیانات۔ فردوسی کا بیان۔ شاہنامہ کا تاریخی اعتبار۔ مثنوی یوسف زلیخا۔

گذشتہ باب میں شاہنامہ کا ذکر آچکا ہے۔ اور اُسمیں سبب تصنیف اور عہد تصنیف کے مفصل واقعات گزر چکے ہیں۔ تاہم اِسکے متعلق ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔ اور خاصکر یہ بحث

(بقیہ صفحہ سابق) لہ دولت شاہ نے لکھا ہے کہ طوس میں مزار عباسیہ کے پاس جانب جنوب فردوسی کی قبر واقع ہے۔ قاضی نور اللہ شوشتری بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ خان اوزبک نے قبر پر مقبرہ بنوایا ہے۔

۵ ابن اسفندیار کی تاریخ میں چاہہ کی بجائے خاہہ مرقوم ہے۔ پروفیسر براون نے دولت شاہ کے حوالہ سے اِس کا نام رباط عشق لکھا ہے۔ لیکن اُن سے دولت شاہ کی عبارت کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوگئی ہے۔ دولت شاہ کی تحریر کے بموجب رباط عشق کو فردوسی کے صلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اُس نے اصفہبد طبرستان کے ذکر میں لکھا ہے کہ یہ بادشاہ شمس المعالی امیر قابوس بن وشمگیر کا ماموں زادہ ہے اور اُس نے دربند عاشقان کے جنوب میں اُس راستہ پر ایک کاروان سرائے تعمیر کرائی جو خراسان سے جرجان و استرآباد کو جاتا ہے اور یہ سرائے رباط عشق کہلاتی ہے۔ مصنفین دیباچہ بیان کرتے ہیں کہ حکیم ناصر خسرو نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ سنہ ۴۳۸ھ میں میں جب طوس میں پہنچا تو ایک نو تعمیر کاروان سرائے دیکھا لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ فردوسی کے صلہ سے تعمیر ہوئی ہے۔ سفرنامہ کے تین نسخے ہماری نظر سے گذرے ہیں۔ (۱) مطبوعہ دہلی جسکو مولانا الطاف حسین حالی نے سنہ ۱۳۰۰ھ میں چھپوایا (۲) مطبوعہ پیرس جس کو موسیو شیفر نے سنہ ۱۸۸۱ء میں

بڑی اہمیت رکھنے والی ہے کہ "شاہنامہ تاریخی نظم ہونے کی حیثیت سے تاریخ میں کیا وقعت و اعتبار رکھتا ہے۔ اور اس میں جو کچھ مواد جمع ہے اُسکا ماخذ و منبع کیا ہے؟" اصل مباحث کو شروع کرنے سے پہلے ہم ایک مختصر تمہید میں ایران کے اُس تاریخی ذخیرہ کا حال تحریر کرتے ہیں جو فردوسی کے ظہور تک اسلامی لٹریچر میں مہیا ہو گیا تھا۔ اس سے نہ صرف سلسلہ کلام مربوط ہو جائیگا بلکہ آیندہ بیانات پر کافی روشنی پڑیگی۔

امیر معاویہ سنہ ۴۱ھ تا سنہ ۶۰ھ کے زمانہ میں ایک شخص عبید بن شریہ گزرا ہے۔ اس نے زمانہ جاہلیت بھی دیکھا تھا۔ عرب و عجم کی تاریخ اور دونوں اقوام کے مابین جو لڑائیاں ہوئی ہیں ان کے حالات اسکو اچھی طرح معلوم تھے۔ امیر معاویہ نے اُسے یمن سے بلایا۔ اور اُس کے پاس اِس غرض سے کاتب مقرر کر دیئے کہ جو کچھ واقعات بیان کرے اُنہیں بصورت کتاب لکھتے جائیں۔ اِس طریق سے ایک کتاب تیار ہو گئی۔ اُسکا نام کتاب الملوک و اخبار الماضیین رکھا[1] یہ سب سے پہلی کتاب ہے جو عجم کے متعلق مسلمانوں نے لکھی ہے۔

ہشام بن عبد الملک سنہ ۱۰۵ھ سنہ ۱۲۵ھ خاندان بنی اُمیہ کا آٹھواں (سنہ ۱۳۶ھ سنہ ۱۵۸ھ) خلیفہ ہے اس نے سنہ ۱۱۳ھ میں عجم کی ایک ضخیم تاریخ پہلوی سے عربی میں ترجمہ کرائی ہے۔ مورخ مسعودی نے سنہ ۳۰۳ھ میں اِس کتاب کو اصطخر میں دیکھا تھا۔ اُسکا بیان ہے کہ اِس کتاب میں ملوک عجم کے حالات کمال تفصیل سے مذکور ہیں[2] خلیفہ المنصور سنہ ۱۳۶ھ سنہ ۱۵۸ھ کو بھی جو خاندان عباسیہ کا دوسرا خلیفہ ہے۔ تاریخ عجم سے خاص دلچسپی تھی۔ اُس نے ایران کی ایک قدیم تاریخ سکسکین[3] کو

(بقیہ صفحہ سابق) شایع کیا ہے۔ ۳۔ مطبوعہ طہران جو سنہ ۱۳۱۳ھ میں زین العابدین الشریف الصفوی کے اہتمام سے طبع ہوا ہے ان میں سے کسی میں یہ واقعہ موجود نہیں ہے۔

[1] ابن ندیم صفحہ ۸۹ [2] التنبیہ والاشراف صفحہ ۱۰۶ [3] مورخین نے اس کے ضبط املا میں اختلاف کیا ہے۔ ابن ندیم نے سکیکین لکھا ہے مسعودی کی مروج الذہب میں سکیران اور اسیطرح بعض دوسری کتابوں میں سکسکین یا سکلکین تحریر ہے۔

ابن المقفع سے عربی میں ترجمہ کرایا تھا۔ یہ کتاب ایران کی سب سے قدیم اور مفصل تاریخ ہے اہل عجم اِس کو نہایت وقعت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔

ابن المقفع خلیفہ منصور کا کاتب اور ایران کا رہنے والا تھا۔ فارسی اُس کی مادری زبان تھی۔ اُس نے خلیفہ کے حکم سے فارسی کی بہت سی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا تھا۔ اُن میں خدائی نامہ اور آئین نامہ ایران کی تاریخیں تھیں۔ خدائی نامہ کا نام ابن المقفع نے تاریخ ملوک الفرس رکھا تھا[۵۱] یہ کتاب اِسقدر مقبول و مشہور ہوئی کہ بہرام بن مردان شاہ نے جب تاریخ عجم لکھنے کا ارادہ کیا تو اُس کے بیس نسخے جمع کئے تھے[۵۲] آئین نامہ سکیکین اور خدائی نامہ سے زیادہ مفصل و بسوط تھا۔ اور کئی ہزار صفحات میں ختم ہوا تھا[۵۳]

اِن کتابوں کے علاوہ خلفاء کے زمانہ میں بعض دیگر مترجین نے بھی ایران کی تاریخیں عربی میں ترجمہ کی ہیں منجملہ اُن کے محمد بن الجہم البرمکی زادویہ بن شاہویہ الاصفہانی محمد بن بھرام بن مسطیار الاصفہانی کی کتابیں سیر الملوک الفرس کے نام سے مشہور ہیں[۵۴] محمد بن قاسم الاصفہانی نے ملوک بنی ساسان کی تاریخ کا ترجمہ کیا ہے۔ بہرام بن مردان شاہ نے جو مدینہ شاپور کا موبد تھا اُس کی اصلاح کی[۵۵] تیسری صدی کے اواسط میں موسیٰ بن عیسیٰ الکسروی تاریخ عجم کا مشہور ماہر گذرا ہے اُس نے مراغہ میں آکر حسن بن علی الہمدانی کے خدائی نامہ کے عربی ترجمہ کی تصحیح کی۔ اور اُس کے مختلف نسخوں میں کاتبوں کی نافہمی سے جو نقص پیدا ہوگئے تھے اُن کو درست کر کے تاریخ عجم کو از سر نو مرتب کیا[۵۶]

یہ سب کتابیں ایران کی عام تاریخ کے متعلق تھیں۔ بعض کتابیں خاص خاص

---

[۵۱] ابن ندیم صفحہ ۱۱۸۔

[۵۲] حمزہ اصفہانی صفحہ ۲۰۔

[۵۳] التنبیہ والاشرف صفحہ۔

[۵۴] حمزہ اصفہانی صفحہ ۷۔

[۵۵] حمزہ اصفہانی صفحہ۔

[۵۶] حمزہ اصفہانی صفحہ ۱۲۔

واقعات اور خاص خاص بادشاہوں کے متعلق بھی ترجمہ ہوئی تھیں۔ خلیفہ ہشام کے میر منشی جبلہ بن سالم نے رستم و اسفندیار اور بہرام گور کی داستان کا ترجمہ کیا تھا۔ عباسیوں کے زمانہ میں کارنامہ اردشیر بابکان۔ کارنامہ نوشیروان اور تاریخ بہرام و نرسی کا بھی ترجمہ ہو گیا تھا۔ یہ سب کتابیں پہلوی سے عربی میں ترجمہ ہوئی تھیں۔ ان کے علاوہ قدمائے اسلام نے عجم کے حالات کو اپنی تصنیفات میں مستقل عنوانات کے تحت میں لکھا ہے اس قسم کی سب سے پہلی کتاب احمد بن واضح الکاتب کی تاریخ ہے جو یعقوبی کے نام سے مشہور ہے۔ اور ۲۵۶ھ میں المعتمد باللہ کے زمانے میں اس نے اپنی تاریخ کو تالیف کیا ہے۔ یعقوبی کے بعد امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری کا ظہور ہوا۔ جو صدر اسلام کے مشہور مصنف اور تفسیر و تاریخ کے امام مانے جاتے تھے۔ ۳۱۰ھ میں انھوں نے وفات پائی ہے۔ ان کی تاریخ جس کا نام تاریخ الملوک والرسائل ہے۔ بہت بڑی اور ضخیم کتاب ہے۔ امام ابوالحسن علی بن حسین المسعودی نے جس کا انتقال ۳۴۶ھ میں طبری سے قریباً پون سو سال بعد ہوا ہے۔ علم تاریخ میں متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ منجملہ اُن کے اخبار الزمان ایک مبسوط کتاب ہے۔ لیکن افسوس کہ ناپید ہو گئی ہے۔ مروج الذہب اور التنبیہ والاشراف۔ موجود ہیں اور چھپ گئی ہیں۔ ان تمام تصنیفات میں شاہان عجم کے حالات تفصیل کے ساتھ مرقوم ہیں۔

سب سے پہلے سامانیوں کے عہد میں فارسی میں شاہان عجم کے حالات فراہم کرنے کی کوشش کی گئی۔ امیر منصور بن نوح سامانی (اسمہ سمہ) کی فرمائش سے اسکے وزیر ابو علی محمد بن محمد بلعمی نے جس کا انتقال ۳۸۶ھ میں ہوا ہے۔ تاریخ طبری کا فارسی میں خلاصہ لکھا ہے[1] اور اس میں شاہان عجم کے حالات لکھنے میں طبری کے علاوہ پہلوی ترجموں سے بھی مدد لی ہے قریب قریب اسی زمانہ میں تین مستقل کتابیں ایران کے متعلق لکھی گئی ہیں اور شاہناموں

[1] ریو۔ جلد صفحہ ۶۹، ۷۰۔

کے نام سے مشہور ہیں۔

امیر ابو المنصور بن عبد الرزاق دربار سامانیہ کا امیر کبیر تھا ۳۴۹ھ سے ۳۶۵ھ تک قریباً سولہ سال امیر عبد الملک اور امیر منصور بن نوح کے زمانہ میں طوس کا عامل رہا ہے۔ اس کے حکم سے منصور المعمری نے ہرات سیستان نیشاپور اور طوس کے چار مجوسیوں کو جمع کر کے اُن سے ۳۴۶ھ میں خدائی نامہ کا ترجمہ کرایا۔ اور اُس کا نام شاہنامہ رکھا[1]

دوسری کتاب ابو المؤید بلخی نے شاہنامہ کے نام سے لکھی ہے امیر ابو المعالی کیکاؤس بن اسکندر بن قابوس وشمگیر نے قابوس نامہ میں اس کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

"و پیوستہ ملوک جہانبانی بمدت ملک شمس المعالی بن وشمگیر کہ بنیرۂ ازغش فرہاد وند است و ازغش فرہاد وند ملک گیلان بودہ بروزگار کیخسرو۔ و ابو المؤید بلخی ذکر او در شاہنامہ آوردہ[2]

ابو المؤید فارسی کے شعرا متقدمین میں شمار ہوا ہے حکیم ابو المثل بخاری اسکا معاصر تھا[3] سامانیوں کے زمانہ میں گزرا ہے۔ اس نے یوسف زلیخا کے فسانہ کو بھی سب سے پہلے نظم کیا ہے۔ چنانچہ فردوسی اپنی یوسف زلیخا میں کہتا ہے۔

دو شاعر کہ این قصہ را گفتہ اند	بہرجائے معروف ننہفتہ اند
یکی بو المؤید کہ از بلخ بود	بدانش ہمی خویشتن را ستود
نخست او بدین در سخن یافت ست	بگفت ست چون بانگ دریافت ست

تیسری کتاب ابو علی محمد بن احمد البلخی نے لکھی ہے۔ یہ بھی شاہنامہ کے نام سے مشہور ہے حاجی خلیفہ نے اس کو شاہنامہ قدیم کے لقب سے تعبیر کیا ہے۔ اس میں حسب ذیل کتابوں سے مصنف نے مضامین اخذ کئے ہیں۔

سیر ملوک الفرس — عبد اللہ بن المقفع

---

[1] آثار الباقیہ صفحہ نولدیکی صہ [2] قابوس نامہ صفحہ ۸ [3] مجمع الفصحا جلد اول صفحہ ۱۸

سیر ملوک الفرس	محمد بن جہم البرکی
"	ہشام بن قاسم
"	بہرام شاہ بن مردان شاہ موید مدینہ شاپور
"	بہرام بن مہران اصفہانی

اور ہرات کے ایک عالم بہرام مجوسی کی تصنیفات سے واقعات کی تصحیح کی ہے[1]

یہ سب کتابیں فردوسی کے زمانہ میں موجود تھیں اور ان تمام بڑے بڑے مصنفین نے جو فردوسی کے ہمعصر تھے ان سے مضامین نقل کئے ہیں چنانچہ ابو علی بلعمی نے جب طبری کا خلاصہ لکھا تو اس میں پہلوی ترجموں سے استفادہ حاصل کیا ہے۔ چنانچہ کیومرث کے حالات میں بیان کرتا ہے[2]

> اندر شاہنامہ بزرگ ایدون گوید پسر مقفع کہ آنگاہ بیرون آمدن آدم علیہ السلام تا بروزگار پیغمبر ما صلی اللہ علیہ وسلم شش ہزار و سیزدہ سال بود۔ و پنجہزار و نہصد سال نیز گویند و چنین گویند نخستین کسی کہ بزمین آمد آدم بود۔ کہ او را کیومرث خواندند۔ محمد بن جہم بن خالد البرکی ہمچنین گوید۔ و زادوی شاہوی ہم چنین گوید۔ و اندر شاہنامہ بہرام بن مہران صباہانی ہمیں گوید و اندر شاہنامہ بہرام بن مردان شاہ صفہانی و ہشام بن قاسم صفاہانی ہمین گوید۔ و موسیٰ بن عیسی الخسروی در نامہ ساسانیان فارس ہم ایدون گوید۔

ابو ریحان البیرونی نے آثار الباقیہ میں ابو المنصوری اور ابو علی بلخی کے شاہناموں سے

---

[1] آثار الباقیہ صفحہ ۹۹۔ [2] طبری فارسی صفحہ ۳

مطالب کثیر اخذ کئے ہیں[1] امام ثعلبی نے بھی اپنی کتاب الغرر فی سیر الملوک میں متعدد مقامات پر ان کا حوالہ دیا ہے[2] ان تمام تصریحات کے بعد یہ امر بہ آسانی قیاس میں آسکتا ہے۔ کہ اس ذخیرہ سے فردوسی نے بھی ضرور فائدہ اٹھایا ہوگا۔ یہ محض قیاس ہی قیاس نہیں ہے۔ بلکہ مورخین نے بھی اسکی تائید کی ہے۔

ماخذات شاہنامہ کے بارے میں مورخین نے مختلف روایات بیان کئے ہیں۔ دیباچہ میں تین روائتیں مذکور ہیں۔ پہلی روایت یہ ہے کہ کسریٰ نوشیروان کو تاریخ ملوک عجم سے خاص دلچسپی تھی۔ اور اس نے اپنے عہد حکومت میں اطراف واکناف سے کوشش کرکے تاریخی ذخیرہ کو فراہم کیا۔ لیکن یہ ذخیرہ منتشر اور پراگندہ تھا۔ اس لئے یزدگرد نے دانشور دہقان کو جو مدائن کا رئیس تھا حکم دیا کہ اس ذخیرہ سے اخذ کرکے کیومرس کے زمانہ سے خسرو پرویز کے زمانہ تک ایران کی مسلسل تاریخ مرتب کرے۔ دانشور دہقان نے تمام ذخیرہ کو ترتیب دیکر ایک جامع تاریخ مدوّن کی۔ مسلمانوں نے جب ایران کو فتح کیا تو داستان دانشور دہقان مال غنیمت کے ساتھ عرب میں آئی۔ مسلمانوں نے اسے بیکار کتاب سمجھکر دیگر تحایف کے ساتھ شاہ حبش کے پاس بھیجدیا۔ حبش سے یہ کتاب ہندوستان میں آئی۔ یعقوب بن لیث نے اسے ہندوستان سے منگوایا۔ اور اپنے وزیر ابو المنصور عبد الرزاق بن عبد اللہ فرخ کو حکم دیا کہ پہلوی زبان سے فارسی زبان میں اس کا ترجمہ کرے ابو المنصور نے یہ خدمت اپنے باپ کے میر منشی مسعود بن منصور المعمری کے تفویض کی۔ اور اس نے تاج بن خراسانی ہروی یزدان داد بن شاپا سیستانی۔ ماہوی بن خورشید نیشاپوری اور سلیمان بن نور بن طوسی کی امداد واعانت سے سنہ ۳۶۰ھ میں اس ترجمہ کو ختم کیا۔ اور نوح بن منصور کے حکم سے دقیقی نے اس کو نظم کرنا شروع کیا۔ کچھ ہی حصہ نظم کرنے پایا تھا کہ غلام کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور یہ کام ادھورا رہ گیا۔ سامانیوں کے بعد

---

[1] آثار الباقیہ صفحہ ۹۹ و ۱۱۷ و ۱۱۸ [2] کتاب الغرر صفحہ ۱۰ و ۲۸ و ۲۴

جب سلطان محمود کو نشو و نما ہوا تو اُس نے اس کتاب کو نظم کرانا چاہا۔ اور یہ خدمت فردوسی کے تفویض کی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ سلطان محمود کو سیر الملوک کا ایک ناقص نسخہ سجستان میں ملا تھا اور سلطان نے اُسے نظم کرنیکے لئے عنصری کو حکم دیا تھا۔ اسی اثنا میں فارس کا ایک امیرزادہ خورفیروز جو نوشیروان کی اولاد سے تھا۔ غزنین میں آیا اور جب اُسے یہ حال معلوم ہوا کہ سلطان تاریخ ملوک عجم کا شایق ہے تو اُس نے عجم کی ایک مبسوط اور مکمل تاریخ اپنے وطن فارس سے لاکر سلطان کی خدمت میں پیش کی۔

تیسری روایت یہ ہے کہ شاپور ذوی الاکتاف کی اولاد سے ایک شخص آذر برزین نام کرمان میں رہتا تھا۔ اور عجم کی گذشتہ تاریخ کا سرمایہ جمع کیا کرتا تھا۔ شاہ کرمان کو جب یہ معلوم ہوا کہ سلطان محمود تاریخ عجم کا متلاشی ہے۔ تو اُس نے آذر برزین کو دربار سلطانی میں بھیجدیا۔

حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں لکھا ہے کہ تاریخ فارس جس کو بعض قدماے فارس نے مدوّن کیا۔ اس میں چونکہ اہل عجم کے اسلاف اور سلاطین کا تذکرہ ہے۔ اس لئے اہل عجم اسکو بڑی عزت و وقعت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ ابن المقفع نے اسکو پہلوی سے عربی میں ترجمہ کیا۔ اور یہی کتاب شاہنامہ وغیرہ کا ماخذ ہے۔ حاجی خلیفہ کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

تاریخ الفرس بعض قدماء اهل الفرس وقد کان معظما عند العجم لما فیه من اخبار اسلافهم وسیر ملوکهم وهو اصل الشهنامة وغیرها ونقله ابن المقفع من الفهلویه الی العربیه۔

مجمع الفصحا میں تحریر ہے۔

از جملہ نامہاے قدیم جاماسپ نامہ۔ کتاب اوست کہ در ذکر خسروان ایران بودہ۔ دیگر آئین بہمن است در احوال بہمن۔ دیگر داراب نامہ است دیگر دانش افزاے نوشیروانی است کہ جامع آن بزرگمہر حکیم بودہ

> و پاستان نامہ۔ و دانشور نامہ۔ وخرد نامہ وحکیم ابوالقاسم محمد بن منصور فردوسی آثار و افعال ملوک عجم را از آن نامہا بدست آوردہ۔

فردوسی نے بھی اپنے ماخذ کا ذکر کیا ہے۔ اور دیباچہ میں لکھا ہے کہ قدیم زمانہ میں ایران کی ایک مبسوط تاریخ لکھی گئی تھی۔ اور اُس کے مختلف اجزا موبدوں کے پاس محفوظ تھے۔ ایک رئیس دہقان نے جو شاہان کیانیہ کی نسل سے تھا۔ اطراف واکناف کے بوڑھے بوڑھے موبدوں کو جمع کر کے ان پریشان اجزا کو ترتیب دلایا۔ اور اُنہیں کتاب کی صورت میں تیار کیا۔ اس کتاب کو دقیقی نے نظم کرنا شروع کیا تھا لیکن جب یہ کام اُس سے انجام کو نہ پہونچا تو میں نے اُس کے تکمیل کرنیکا ارادہ کیا۔ یہ کتاب کمیاب تھی۔ لیکن ایک ہموطن دوست نے مہیا کر دی۔

یکے نامہ بد از گہ پاستان	فراوان بدو اندرون داستان
پراگندہ در دست ہر موبدی	ازو بہرۂ بردہ ہر بخردے
یکے پہلواں بود دہقان نژاد	دلیر و بزرگ و خردمند و راد
ز ہر کشورے موبدی سالخورد	بیاورد این نامہ را گرد کرد
بپرسیدشان از نژاد کیان	وزان نامداران فرخ گوان
بگفتند پیشش یکایک مہان	سخنہای شاہان وگشت جہان
چو بشنید ازایشان سپہبد سخن	یکے نامور نامہ افگند بن
بنظم آرم این نامہ را گفت من	ازو شادمان شد دل انجمن
یکایک از و بخت برگشتہ شد	بدست یکے بندہ برکشتہ شد
برفت او و این نامہ ناگفتہ ماند	چنان بخت بیدار او خفتہ ماند
دل روشن من چو برگشت از وی	سوئے تخت شاہ جہان کرد روی

که این نامه را دست پیش آورم | ز دفتر بگفتار خویش آورم
بشهرم یکی مهربان دوست بود | تو گفتی که با من بیک پوست بود
مرا گفت خوب آمد این رائے تو | بہ نیکی خرامد مگر پائے تو
نوشته من این نامه پہلوی | بہ پیش تو آرم مگر نغنوی
شعر این نامه خسروان بازگوی | بدین جوئے نزد میان آبروی

اسی کتاب پر فردوسی نے شاہنامہ کی بنیاد قائم کی ہے اور متعدد مقامات پر اس کا حوالہ بھی دیا ہے لیکن اس کا نام کہیں داستان پاستان لکھا ہے کہیں نامہ خسروان۔ اور کہیں فراہم کنندہ کی طرف منسوب کرکے گفتار دہقان سے تعبیر کرتا ہے۔

داستان کیومرث۔

پژ دیدۂ نامۂ پاستان | که از پہلوانان زند داستان

داستان رستم و اسفندیار۔

ز بلبل شنیدم یکی داستان | که بر خواند از گفته پاستان

داستان ملوک اشکانیان:

از ایشان جز از نام نشنیده ام | نه در نامۂ خسروان دیده ام

داستان جنگ اکوان دیو۔

تو بشنو ز گفتار دہقان پیر | اگر چه نباشد سخن دلپذیر

اس کتاب کے علاوہ فردوسی نے شاہنامہ میں دیگر ذرائع سے بھی واقعات اخذ کئے ہیں اور ان دوسرے ماخذوں کی بھی اس نے ہر جگہ تصریح کردی ہے۔ شغاد کا قصہ آزاد سرو سے حاصل کیا ہے چنانچہ لکھتا ہے۔

یکے پیر بد نامش آزاد سرو | که با احمد سہل بودے بہ مرو
بہ سام و نریمان کشیدش نژاد | بسے داشتی رزم رستم بیاد

بگویم سخن آنچہ زو یافتم ... سخن را یک اندر دگر بافتم

طلخند کا قصہ اور ایجاد شطرنج کا واقعہ شاہوی پیر کے حوالہ سے بیان کرتا ہے۔

چنین گفت فرزانہ شاہوی پیر ... ز شاہوی پیر این سخن یادگیر

ہرمز کے حالات مرزبان ماخ ہروی کی زبانی نقل کیے ہیں۔

یکے پیر بد مرزبان ہری ... پسندیدہ و دیدہ از ہر دری

جہاندیدہ و نام او بود ماخ ... سخندان و با برگ و با برز و شاخ

بپرسیدمش تا چہ دارد بیاد ... ز ہرمز کہ بنشست بر تخت داد

چنین گفت پیر خراسان کہ شاہ ... چو بنشست بر نامور پیشگاہ

فردوسی نے وقایع نگاری کے فرائض کو نہایت دیانت داری سے ادا کیا ہے سب سے پہلے ہر واقعہ کے ماخذ کو بیان کرتا ہے۔ پھر اُس ماخذ میں اُسے جو کچھ حالات ملتے ہیں اُنھیں لفظ بہ لفظ نقل کر دیتا ہے اور اُن میں سے ایک حرف بھی رائیگاں جانے نہیں دیتا۔ چنانچہ کاموس کے افسانہ کو ختم کر کے کہتا ہے۔

بر آوردم این رزم کاموس نیز ... دراز است و نفتاد از و یک پشیز

گر از داستان یک سخن کم بدی ... روان مرا جای ماتم بدی

اسی طرح جو حالات اسے میسّر نہیں آئے ہیں اُنکی بھی تصریح کر دی ہے چنانچہ ملوک اشکانیہ کی نسبت کہتا ہے۔

ازین گونہ بگذشت سالی دویست ... تو گفتی کہ اندر جہان شاہ نیست

چو کوتاہ شد شاخ و ہم بیخ شان ... نگوید جہاندیدہ تاریخ شان

از ایشان جز از نام نشنیدہ ام ... نہ در نامۂ خسروان دیدہ ام

شاہنامہ میں جس قدر حکایات مذکور ہیں ایران کے قدیم لٹریچر سے اُس کی حرف بحرف تصدیق ہوتی ہے۔ فردوسی نے اُنکو نقل کرنے میں کامل دیانت داری سے کام لیا ہے۔

شاہنامہ کا ابتدائی حصہ جس میں، ہوشنگ، جمشید، ضحاک، فریدوں، کیکاوس، کیخسرو، گرشاسپ کے حکایات ہیں۔ اوستا اور اسکی پہلوی تفاسیر سے کم وبیش مطابقت رکھتا ہے۔ اور وید کے قدیم منتروں میں بھی اسکی جھلک نظر آتی ہے۔ کیونکہ یہ حکایات عہد شجاعت کی یادگار ہیں۔ اور اُن کا تعلق اُس زمانہ سے ہے جبکہ آریا قوم وسط ایشیا میں رہا کرتی تھی۔ اور ابھی ترک وطن کرکے ہندوستان و یورپ کی جانب اُس نے رخ نہیں کیا تھا۔

قدمائے یونان نے ایرانیوں کے بارے میں جو کتابیں لکھی ہیں اُن میں اِن حکایات کا وجود پایا جاتا ہے۔ خصوصاً ٹیسس، یونان کے مورخ کی تاریخ اِس بارے میں خاص توجہ کے قابل ہے یہ مورخ کاویہ کا باشندہ اور حکیم زنوفن کا معاصر تھا آرٹازرکسیز ARTAXARXES کے زمانہ میں جسکا نام فردوسی نے بہمن اردشیر لکھا ہے ایران میں آیا۔ اور شاہی طبیب مقرر ہوکر سترہ سال رہنے کے بعد جناب مسیح سے ۳۹۸ھ پہلے اپنے وطن کو واپس چلا گیا اُس نے ایرانی تصنیفات سے لیکے ایران کی ایک ضخیم تاریخ لکھی ہے جس میں عقاب سیمرغ اور رہا کے افسانے بھی اُسی طرح مرقوم ہیں جس طرح کہ فردوسی نے بیان کیا ہے۔

حضرت عیسٰی سے قریباً پانسو سال پہلے ایادگار زریران[1] (AIYADGAR-I-ZARIRAN) کے نام سے ایک کتاب پہلوی زبان میں لکھی گئی ہے۔ جسمیں ہشتاسپ کے بھائی زریادراس اور شاہزادی اڈاٹس کا فسانہ مذکور ہے۔ یہ فسانہ سکندر اعظم کے وزیر چارس (CHARAS) کی کتاب میں بھی موجود ہے۔ اور چارس کے حوالہ سے اتھینیوس ATHENAEUS مورخ نے بھی اسے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔ ایادگار زریران اگرچہ کہ مختصر سی کتاب ہے۔ اور اُس میں قصہ بھی ایک ہی مذکور ہے۔ تاہم زمانہ شجاعت کی بہت سے حکایات کے اجزا اِس کے ضمن میں پائے جاتے ہیں

---

[1] شمس العلماء ڈاکٹر جیون جی جمشید جی مودی نے اسے ۱۸۹۹ء میں بمقام بمبئی چھپوایا ہے ابتدا میں ایک عالمانہ دیباچہ لکھا ہے اصل کتاب پر موقع بموقع مفید و کارآمد حواشی بھی اضافہ کیے ہیں۔

اور فردوسی کے بیان کی ان سب سے تطبیق ہوتی ہے۔

عہد ساسانیہ کے متعلق پہلوی زبان کی ایک کتاب کارنامک ارتخشیر پاپکان[1] بہت مشہور ہے یہ کتاب غالباً ۶۰۰ء میں خسرو پرویز کے زمانہ میں تصنیف ہوئی ہے۔ اور اس میں خاندان ساسانیہ کے بانی اردشیر بابکان کے حالات مرقوم ہیں آگتھیا نے ۵۸۰ء میں ایران کی ایک ضخیم تاریخ لکھی ہے۔ اور اس میں واقعات پہلوی تصنیفات سے اقتباس کئے ہیں۔ ان دونوں کتابوں سے اگر شاہنامہ کا مقابلہ کریں تو تمام واقعات باہم مطابق ہوجاتے ہیں۔

شاہنامہ جسقدر مشرق میں مقبول ہوا ہے۔ قریب قریب اُسی قدر اہل مغرب نے بھی اُس کے ساتھ اعتنا کیا ہے۔ بڑے بڑے مشاہیر نے اُسے خاص خاص اہتمام سے شایع کیا ہے۔ ضخیم ضخیم کتابیں اُس پر لکھی ہیں۔ اور مختلف زبانوں میں ترجمے کئے ہیں۔ جس کی مختصر کیفیت یہ ہے۔

میکن ٹرنر نے متعدد قدیم نسخوں سے اُس کو صحیح کرکے سب سے پہلے ۱۸۱۹ء میں بمقام کلکتہ چھپوایا ہے۔ اس کے بعد نہایت اہتمام سے فرانسیسی ترجمہ کے ساتھ جولیس موہل MOHELL نے ۱۸۳۸ء میں پیرس میں طبع کرایا ہے۔ قریب قریب اسی زمانہ میں ویلارس نے اس کا ایک نفیس انتخاب ۱۸۳۳ء میں جرمن کے مشہور شہر بون سے شایع کیا۔ پھر کامل کتاب کو جرمن ترجمہ کے ساتھ ۱۸۷۹ء میں لیڈن میں چھپوایا۔

ڈاکٹر ایتھے ETHE نے اس کے عہد تصنیف پر ایک عالمانہ مضمون جرمن کے مشہور رسالہ میں شائع کیا ہے۔ پروفیسر نولڈیکی NOLDIKE نے اس کے ماخذات پر ایک ضخیم کتاب لکھی ہے پیزی نے اسکی خاص گرامر اور اُس کے مسائل کو مدون کیا ہے اس کتاب کا نام یہ ہے

---

[1] اس کو پروفیسر مولر MULLER نے جرمن ترجمہ کے ساتھ ۱۸۹۷ء میں وائنا میں طبع کرایا ہے ۱۹۰۰ء میں ایڈل جی کرشاسپ جی نے بھی اسے بمبئی میں چھپوایا ہے اس کے اخیر میں شاہنامہ کا انتخاب بھی شامل ہے جس میں پہلوی کتاب کے ساتھ فردوسی کے بیانات کی تطبیق کی گئی ہے۔

ترجموں کی تفصیل اور مترجمین کے نام یہ ہیں۔

انگریزی	ولیم جونس	لندن ۱۷۷۴ء	یورپین السنہ میں سب سے قدیم ترجمہ ہے
"	چمپیون	کلکتہ ۱۸۸۵ء	ابتدا سے وفات رستم تک۔
"	اٹکنسن	کلکتہ ۱۸۱۴ء لندن ۱۸۳۲ء	ابتدا سے وفات سکندر تک
"	ویسٹن	لندن ۱۸۱۵ء	حکایات شاہنامہ نثر میں۔
"	رابرٹسن	کلکتہ ۱۸۲۹ء	داستان رستم وسہراب۔
"	راجرس	لندن ۱۹۰۷ء	حکایات شاہنامہ کا انتخاب۔
"	وارنر	لندن ۱۹۰۵ء تا ۱۹۱۰ء	پانچ جلدیں کامل کتاب کا ترجمہ
فرانسیسی	موہل	پیرس ۱۸۳۸ء تا ۱۸۷۸ء	(۷) جلدیں کامل کتاب کا ترجمہ
جرمنی	گارس	برلن ۱۸۲۰ء	ابتدا سے وفات رستم تک
"	سچاک	برلن ۱۸۶۵ء	فریدون سے وفات رستم تک
"	روکرٹ	برلن ۱۸۹۰ء	داستان رستم وسہراب
"	ہائیر	برلن ۱۸۹۰ء تا ۱۸۹۵ء	(۳) جلدیں کامل کتاب کا ترجمہ
اٹالین	پیزی	تورینو ۱۸۸۶ء تا ۱۸۸۸ء	کامل کتاب کا ترجمہ۔

یوسف زلیخا کو فردوسی نے شاہنامہ کے بعد عہد پیری میں تصنیف کیا ہے۔ اس کے دیباچہ سے ظاہر ہے کہ فردوسی غزنین سے نکلنے کے بعد عراق میں آیا تو اہل عراق نے اس کے ساتھ دلچسپی نہیں لی۔ وجہ یہ تھی کہ اُس نے شاہنامہ میں ایرانیوں کی جھوٹی کہانیوں کو بڑے آب وتاب سے لکھا تھا۔ اور مجوسیوں کی تعریف کی تھی۔ پس فردوسی نے اُسکی تلافی کرنی چاہی اور اس مقصد کے لئے کلام الٰہی سے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو انتخاب کیا جو احسن القصص کے نام سے مشہور ہے۔

یہ روایت شاہنامہ کے دیباچہ نگاروں نے بیان کی ہے۔ زلیخا کے مطبوعہ نسخوں میں

نہ سنہ تصنیف ہے نہ کسی بادشاہ یا امیر کی مدح ہے۔ اسلئے اسکا زمانۂ تصنیف تعین کرنے میں علمائے مغرب نے بہت اختلاف کیا ہے۔ نولڈیکی کا بیان ہے کہ فردوسی نے یہ مثنوی بہاء الدولہ (۳۷۹ھ تا ۴۰۳ھ) یا اُس کے فرزند سلطان الدولہ (۴۰۳ھ تا ۴۱۲ھ) کے لئے لکھی ہے ڈاکٹر ایتھے کی رائے اِسکے خلاف ہے۔ اور اُسکے خیال میں مثنوی مجد الدولہ ابوطالب رستم کی فرمایش سے لکھی گئی ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ سب تخیلات ہیں اور انکی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ برٹش میوزیم میں او۔ آر۔ نمبر ۲۹۳۰ پر یوسف زلیخا کا ایک قدیم قلمی نسخہ موجود ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مثنوی امیر موفق کی فرمایش سے لکھی گئی ہے۔

امیر موفق کا نام ابو علی حسن بن محمد بن اسمٰعیل اسکافی ہے سلاطین بویہ کے امرائے دربار سے تھا۔ اور بہاء الدولہ نے اسے ۳۸۵ھ میں بغداد کا حاکم مقرر کیا تھا۔ اِسکے حالات روضۃ الصفا اور خاص کر ابن اثیر کی تاریخ الکامل میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ بہاء الدولہ اور اُس کے بھائی صمصام الدولہ کے مابین جب لڑائی ہوئی تو صمصام الدولہ کے حکم سے ۳۸۶ھ میں ابوجعفر حجاج نے اُسے گرفتار کر لیا اسکے بعد ۳۸۸ھ میں امیر موفق پھر بہاء الدولہ کے دربار میں آیا اور اُسکا وزیر ہوگیا۔ اِس کے بعد ۳۹۴ھ میں بہاء الدولہ نے اُسے قتل کرا دیا۔

اس قلمی نسخہ میں وضاحت کے ساتھ تحریر ہے کہ "اِس مثنوی کو امیر موفق نے فردوسی سے اسلئے لکھوایا کہ اُس کے امیرِ عراق کے وزیر کے یہاں پیش کرے" امیر عراق سے بلاشبہ بہاء الدولہ مراد ہے اور اِس سے ثابت ہے کہ یہ مثنوی امیر موفق کے وزیر مقرر ہونے سے پہلے چھ سال کے اُس زمانہ میں لکھی گئی ہے جو بہاء الدولہ کی تخت نشینی ۳۷۹ھ اور امیر موفق کی گرفتاری ۳۸۶ھ کے مابین گزرا ہے۔

تذکرہ نویسوں کا عام خیال یہ ہے کہ فردوسی نے شاہنامہ ختم کرنے کے بعد یوسف زلیخا کو لکھا ہے لیکن یوسف زلیخا کے مختلف ابیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی تصنیف کے وقت شاہنامہ کا ختم ہونا تو درکنار اُسکے مختلف اجزا ابھی مکمل نہیں ہوئے تھے بلکہ اُسوقت فردوسی نے قدمائے ایران سے

بعض مشہور بادشاہوں اور پہلوانوں کے متفرق حکایات کو نظم کیا تھا۔ اور اُس میں فریدون ضحاک کیقباد کیخسرو و افراسیاب وغیرہ کی لڑائیاں اور رستم کے شجاعانہ کارنامے مذکور تھے۔

بسے گوہر داستان سفتہ ام — بسی نامہ دوستان گفتہ ام
بہ بزم و بہ رزم و بکین و بمہر — یکی از زمین و یکے از سپہر
دلم سیر گشت از فریدون گرد — مرا زان چہ کو تخت ضحاک برد
گرفتم دل از ملکت کیقباد — ہمان تخت کاؤس کی بر باد
ندانم چہ خواہد بدن جز عذاب — ز کیخسرو و جنگ افراسیاب
کہ یک نیمہ از عمر خود کم کنم — جہانی پر از نام رستم کنم
دلم سیر گشت و گرفتم لال — ہم از پور طوس ہم از پور زال

یوسف زلیخا کا مضمون فردوسی کے لئے نیا نہیں ہے۔ اِس سے پہلے ابوالمؤید بلخی عمق بخاری اور بختیاری اہوازی نے بھی اِس قصہ کو نظم کیا ہے لیکن جب فردوسی نے قلم اوٹھایا تو یہ سب کتابیں ماند پڑ گئیں۔ یہانتک کہ اِسوقت اُن کے دو چار اشعار بھی دستیاب نہیں ہوتے ہیں۔

فردوسی کی یوسف زلیخا نے نہ صرف مشرق بلکہ مغرب میں بھی کافی شہرت حاصل کی ہے۔ ڈاکٹر ایتھے نے اِس کے متعلق ایک عالمانہ مضمون انٹرنشنل کانفرنس کے ساتویں اجلاس میں پڑھا ہے جو ۱۸۸۹ء میں بمقام وائنا منعقد ہوا تھا۔ اِس مضمون کی اشاعت سے اہل یورپ کو اصل کتاب کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا تو ڈاکٹر موصوف نے کئی سال محنت کر کے اسے صحیح کیا۔ اور ۱۹۰۸ء میں بمقام آکسفورڈ چھپوایا۔

سلطان محمود کے جانشین

وفات سلطان محمود۔ سلطان محمد بن محمود ۴۲۱ھ۔ ناصر بغوے۔ قصاری سلطان مسعود بن محمود ۴۲۱ھ تا ۴۳۲ھ۔ سلطان مسعود کے آثر محاسن۔ امام ناصحی۔ فقہ مسعودی۔ امام ثعلبی یتیمۃ الیتیمۃ۔ ابوریحان البیرونی قانون مسعودی شعرائے دربار۔ منوچہری و امغانی پر آشوب زمانہ (۴۳۲ھ تا ۴۵۱ھ) سلطان مودود بن مسعود۔ مسعود بن مودود۔ سلطان علی بن مسعود۔ سلطان عبدالرشید۔ سلطان فرخ زاد۔ ابو الفضل بیہقی۔ تاریخ مسعودی۔ ابو الحامد جوہری الصائغ۔

۲۳۔ ربیع الاخر ۴۲۱ھ کو سلطان محمود نے جہان فانی سے کوچ کیا۔ سلطان کی وصیت کے بموجب محمد بن محمود سریر آرا ہوا۔ لیکن اُس کے بھائی مسعود بن محمود نے مخالفت کی اور امراء کی سازش سے اُسے گرفتار کر کے قید کر دیا اور تخت پر خود قبضہ کر لیا۔[1]

سلطان محمد نے کم و بیش ۴ ماہ حکومت کی ہے۔

سلطان محمد نیک سیرت ذی علم موزوں طبع بادشاہ ہوا ہے۔ اُس کے اشعار بہت مشہور ہیں اُس کی ایک محبوبہ دریا میں غرق ہو گئی تھی تو اُس کے فراق میں اُس نے یہ رباعی موزوں کی تھی[2]

---

[1] ابن اثیر جلد ۹ صفحہ ۸۲۔ [2] طبقات ناصری صفحہ ۱۱، آتشکدہ صفحہ ۱۱، مجمع الفصحا صفحہ ۵۵

رفتی و دل خستہ مشوش بی تو — عیش خوش من شدہ ناخوش بی تو
تو رفتہ و آمدہ من بی تو بجاں — تو در آبی و من در آتش بی تو

سلطان محمود کی وفات کے وقت جو ارباب کمال موجود تھے وہ سب اُس کے عہد میں جمع تھے علاوہ ان کے ناصر بغوی اور قصار امی کو اُس کے دربار سے خاص تعلق تھا۔[1] قصار امی کے حالات کسی تذکرہ نویس نے نہیں لکھے ہیں۔ اور نہ یہ معلوم ہے کہ اس لفظ کا ضبط و املا کس طرح ہے اور کس طرف اِس کی نسبت ہے۔ حکیم اسدی نے اپنی فرہنگ میں لغت کفا کے تحت میں اُس کا ایک شعر نقل کیا ہے ؎

میر ابواحمد محمد خسرو ایران زمین — رنگ پیش آر و در شادی چو پیش آید کفا

سلطان مسعود کی نسبت مورخ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ شجاع اور سخی بادشاہ ہوا ہے۔ اُس کے اوصاف و فضائل بے شمار ہیں۔ ارباب کمال کا بڑا قدردان تھا۔ اور اُن کے ساتھ ہمیشہ بذل و احسان سے پیش آیا کرتا تھا۔ علماء نے مختلف علوم و فنون کی کثیر التعداد کتابیں اُس کے نام پر تصنیف کی ہیں۔ خیر خیرات سے اس کو خاص رغبت تھی۔ رمضان میں ایک دن ایک لاکھ درہم مستحقین اور اہل حاجت میں تقسیم کیا کرتا تھا۔ شعراء کو صلہ ہائے عظیم عطا کیا کرتا تھا۔ ایک شاعر نے ایک قصیدہ پیش کیا تو اس کے صلہ میں فی شعر ایک ہزار درہم عطا کیا تھا۔ اور اس رقم کی مجموعی تعداد ایک ہزار دینار ہو گئی تھی[2] اس نے ممالک محروسہ کے تمام شہروں میں اس قدر مدارس و مساجد تعمیر کرائے تھے کہ اُن کی تعداد بیان کرنے سے زبان عاجز و قاصر ہے[3]

سلطان محمود کی وفات کے بعد غزنین میں جسقدر ارباب فضل و کمال بقید حیات تھے وہ سب مسعود کے دربار میں موجود تھے۔ مسعود جب برسر حکومت ہوا تو ابونصر مشکان اور

---

[1] عوفی ج ۲ صفحہ ۶۵ لغات اسدی صفحہ ۲۷۔ [2] ابن اثیر جلد ۹ صفحہ ۲۳۳۔

[3] فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۴۴۔

امام ابوعبداللہ ناصحی کو کتابت اور قضائت کے عہدوں پر حسب دستور رجال رکھا۔ خواجہ احمد بن حسن میمندی کو قید سے رہا کر کے وزارت سے سرفراز کیا۔ خواجہ نے قریباً تین سال اس خدمت کو انجام دیا۔ ۴۲۴ھ میں اُس کا انتقال ہوگیا۔ تو یہ خدمت ابونصر احمد بن محمد بن عبدالصمد کے تفویض کی۔

امام ابومحمد عبداللہ بن حسین الناصحی نے جو قاضی القضات تھے فقہ مسعودی کے نام سے ایک کتاب سلطان مسعود کے نام پر تالیف کی ہے۔ اس میں مذہب امام ابوحنیفہ کے فروعات مذکور ہیں ابن شحنہ کا بیان ہے کہ یہ کتاب چھوٹی سی ہے۔ لیکن نہایت مفید و مستند ہے۔ مصنف نے مختصر الفاظ میں مسائل کثیرہ بیان کئے ہیں[۱]

امام ابو المنصور ثعلبی نے یتیمۃ الدہر فی محاسن اہل العصر کے نام سے شعرائے عرب کا ایک ضخیم تذکرہ لکھا ہے۔ امام صاحب کی تصنیفات میں سے بہتر اور مقبول عام کتاب ہے اور مضامین کے اعتبار سے چار جلدوں میں منقسم ہے[۲]

قسم اول	محاسن اشعار آل حمدان وشعراء مصر وشام
قسم ثانی	محاسن اشعار اہل جبال وفارس وجرجان وطبرستان
قسم ثالث	محاسن اشعار اہل عراق وکاتبان دولت دیلمیہ
قسم رابع	محاسن اشعار اہل خراسان وماوراء النہر

امام صاحب نے اس کتاب کا تتمہ لکھا ہے۔ اور اُسے مسعود کے نام سے نامزد کیا ہے یہ بھی مضامین کے اعتبار سے چار اقسام پر منقسم ہے اور ہر ایک قسم تتمہ قسم اول و تتمہ قسم ثانی کے عنوان سے شروع ہوئی ہے۔ اس تتمہ کا ایک نفیس نسخہ جس کی کتابت ۵۰۹ھ میں ہوئی ہے۔ فرانس کے کتب خانہ ملی میں نمبر ۳۳۰۸ پر موجود ہے۔ فلوگل نے جو کشف الظنون شائع کی ہے اُس میں اس کا نام تتمۃ الیتیمہ چھپا ہوا ہے لیکن یہ غلطی ہے۔

---

[۱] کشف الظنون جلد دوم صفحہ ۲۹۳ فرشتہ جلد اول صفحہ ۴۴

[۲] یتیمۃ الدہر ۱۳۰۳ھ میں دمشق میں چھپ گیا ہے۔

سلطان مسعود کو علم ہئیت سے خاص دلچسپی تھی[۱] اور اس کے حکم سے ابو ریحان نے نواح غزنین میں ایک رصد خانہ بھی قائم کیا تھا[۱]۔ علاوہ اس کے ابو ریحان نے سلطان کی سرپرستی میں ۴۲۱ھ اور ۴۲۷ھ کے مابین ایک کتاب قانون مسعودی کے نام سے تصنیف کی ہے۔ اس میں علم ہئیت اور نجوم کے مسائل مذکور ہیں۔ یہ کتاب ابو ریحان کی تصنیفات میں سب سے زیادہ مہتم بالشان اور بہترین تصنیف سمجھی گئی ہے۔ ڈاکٹر ہارووٹس نے جو جرمن کا مشہور عالم مشرقیات ہے اس کی نسبت لکھا ہے۔

عربوں کے علم ہئیت کے متعلق یہ نہایت مکمل اور مستند کتاب ہے اس کے اندر ایسے بہت سے مسائل مذکور ہیں جن کی نسبت عام طور پر سمجھا گیا ہے کہ سترھویں صدی میں انہیں اہل یورپ نے دریافت کیا ہے۔

اس کتاب کے متعدد نسخے فرانس جرمن اور انگلستان کے کتب خانوں میں موجود ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ قابل قدر اور تاریخی اہمیت رکھنے والا نسخہ برٹش میوزیم کا ہے جس کی کتابت ۴۰ سال بعد یعنی ۴۷۰ھ میں ہوئی ہے۔

یہ کتاب بارہ مقالات پر منقسم ہے۔ اور ہر مقالہ میں متعدد ابواب و فصول ہیں جن کی تفصیل ڈاکٹر ریو نے اپنی فہرست مخطوطات عربیہ میں کئی صفحات پر درج کی ہے[۳]

قانون مسعودی ابھی تک طبع نہیں ہوا ہے۔ سر ہنری ایلیٹ نے اس مقالہ پنجم کے صرف دسویں باب کو ۱۸۶۹ء میں چھپوایا ہے۔

عنصری۔ فرخی۔ اسدی۔ زینتی علوی۔ امیر بزرجمہر وغیرہ نامور شعراء اس وقت تک بقید حیات موجود تھے اور اس کے فیضان کرم سے فیضیاب ہوتے تھے۔ ابوالفضل بیہقی کا

---

[۱] نزہۃ الارواح حالات بیرونی [۲] کشف الظنون۔ [۳] ریو۔ فہرست مخطوطات عربی صفحہ ۴۱۳ تا صفحہ ۴۱۹۔

بیان ہے کہ اس نے اپنے زمانہ حکومت میں شعراء کو جو صلہ ہائے عظیم عنایت کیئے ہیں انکا شمار خارج از اندازہ ہے۔ ایک شب مجلس طرب میں زینتی کو ایک لاکھ درہم اور ایک ہاتھی سرفراز کیا۔ اور حکم دیا کہ اس صلۂ گراں کو ہاتھی پر بار کرکے زینتی کے مکان پر پہونچا یا جائے۔[1]

۴۲۲ھ میں عید الفطر کا دربار منعقد ہوا تو شعراء نے قصائد پیش کیئے۔ مسعود نے ہر ایک شاعر کو بیس ہزار درہم۔ زینتی کو ۵۰ ہزار درہم اور عنصری کو ایک ہزار دینار سرخ سرفراز کیئے۔[2]

ان کے علاوہ بہت سے شعراء نے خاص مسعود کے زمانہ میں نشو ونما پایا ہے ان میں ابو النجم احمد بن قوس بن احمد منوچہری[3] نے زیادہ شہرت حاصل کی ہے۔

منوچہری کو دولت شاہ اور اس کی پیروی میں اکثر تذکرہ نویسوں نے بلخ کا باشندہ لکھا ہے لیکن خود منوچہری کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ دامغان اس کا وطن تھا۔

سوئے تاج عمرانیاں ہم بدنیاں بیاید منوچہری و اسغانے

منوچہری ابتداء میں ملک المعالی امیر منوچہری بن قابوس بن وشمگیر ۴۰۳ھ ۴۲۱ھ کے دربار میں ملازم تھا۔ اور اسی مناسبت سے منوچہری تخلص رکھا تھا۔ ۴۲۱ھ میں جب امیر منوچہر کا انتقال ہو گیا تو منوچہری جرجان سے نکل کر غزنین میں آیا۔ تذکرہ نویسوں نے سلطان محمود کے درباری شعراء میں اس کا نام لکھا ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ اس کے دیوان میں کوئی قصیدہ سلطان محمود کی مدح کا موجود نہیں ہے۔ بلکہ اکثر قصائد سلطان مسعود کی مدح میں لکھے ہیں۔ اس لیئے قیاس چاہتا ہے کہ محمود کی وفات کے بعد منوچہری غزنین میں آیا۔ اور مسعود کے زمانہ میں دربار میں باریاب ہوا۔ اس قیاس کی تائید ملا عبد القادر بدایونی کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔

---

[1] بیہقی صفحہ ۱۲۵۔ [2] بیہقی صفحہ ۱۷۶۔

[3] عوفی جلد ۲ صفحہ ۵۳ دولت شاہ صفحہ ۴۔ فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۴۳۔ بدایونی صفحہ ۱۰۔ آتشکدہ صفحہ ۲۳۱۔ مجمع الفصحا جلد ۱ صفحہ ۵۴۳۔

از جملہ شعرا کہ در زمان سلطان مسعود نشو و نما یافتہ اند منوچہری ست۔

منوچہری۔ نے سنہ ۴۳۲ھ میں وفات پائی ہے۔ اس کے دیوان کو فرانس کے مشہور مستشرق کازمرسکی (KAZIMIRSKI) نے نہایت اہتمام کے ساتھ ۱۸۸۶ء میں پیرس میں چھپوایا ہے اور اس کے ساتھ کئی سو صفحات پر دیباچہ اور تعلیقات بھی لکھے ہیں۔

مسعود نے کم و بیش گیارہ سال حکومت کی سنہ ۴۳۲ھ میں سلجوقیوں سے شکست پاکر خراسان سے غزنین میں آیا۔ اور وہاں کے خزانہ کو ساتھ لے کر ہندوستان کی جانب روانہ ہوا۔ راستے میں امرا نے اسے معزول کرکے قید کر دیا۔ اور سلطان محمد بن محمود کو تخت پر بٹھایا[۱]۔ سلطان محمد چونکہ نابینا تھا اس لیئے اپنے لڑکے احمد کو شریک سلطنت بنا لیا۔ احمد نے مسعود کو قتل کرا دیا[۲]۔ مودود بن مسعود اس وقت خراسان میں تھا۔ اُسے جب اپنے باپ کے قتل کا حال معلوم ہوا تو اس نے سلطان محمد پر لشکر کشی کی ۳۔ شعبان سنہ ۴۳۲ھ کو طرفین میں مقابلہ ہوا۔ سلطان محمد نے شکست پائی تخت پر مودود کا قبضہ ہو گیا۔ اور مودود کے ایما سے سلطان محمد اور اُس کا لڑکا امیر احمد دونوں قتل کر دیئے گئے[۳]۔

مودود نے ۱۰ رجب سنہ ۴۴۱ھ کو انتقال کیا[۴]۔ اس کے بعد کون برسر حکومت ہوا اس بارے میں مورخین کا اختلاف ہے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ مودود کے بعد امرا نے اس کے شیر خوار لڑکے کو تخت پر بٹھایا۔ ۵ یوم اُس کی حکومت رہی۔ پھر علی بن مسعود نے اُسے معزول کرکے تخت پر قبضہ کر لیا[۵]۔ فخر الدین۔ بناکتی۔ میر خوند۔ احمد غفاری۔ بدایونی۔ فرشتہ وغیرہ نے اس شیر خوار لڑکے کا نام مسعود بن مودود لکھا ہے[۶]۔ منہاج سراج اور حمد اللہ مستوفی نے مودود کے بعد بلا واسطہ

(بقیہ صفحہ سابق) براؤن جلد ۱ صفحہ ۱۵۳۔ ریو۔ جلد ۲ صفحہ ۵۱۳۔

۱ ابن اثیر جلد ۹ صفحہ ۳۱۳ و ۳۲۲۔ ۲ ابن اثیر جلد ۹ صفحہ ۳۲۳ و ۳۲۴۔ ۳ ابن اثیر جلد ۹ صفحہ ۳۳۳ و ۳۳۴۔
۴ ابن اثیر جلد ۹ صفحہ ۳۸۱۔ ۵ ابن اثیر جلد ۹ صفحہ ۳۸۲۔ ۶ روضۃ الصفا جلد ۴ نگارستان صفحہ ۱۳۹ منتخب التواریخ

علی بن مسعود کا ذکر کیا ہے[1] علی بن مسعود نے کم وبیش تین ماہ حکومت کی سال ۴۴۱ھ کے اخیر ایام میں عبدالرشید بن مسعود نے خروج کر کے مسعود کو پسپا کیا اور خود بادشاہ ہوگیا[2]

عبدالرشید جب برسر حکومت ہوا تو اس نے طغرل کو جو سلطان مودود کا حاجب تھا سیستان کا گورنر مقرر کیا۔ اس نے سیستان میں قوت واقتدار حاصل کر کے علم بغاوت بلند کیا اور غزنین میں آکر سلطان عبدالرشید اور اس کے قرابت داروں کو قتل کرنے کے بعد تخت نشین ہوگیا۔ لیکن غزنین کے امراء نے اسے قتل کر کے فرخ زاد بن مسعود کو تخت پر بٹھایا۔ یہ واقعہ ۴۴۴ھ کا ہے[3] فرخ زاد نے ۴۵۱ھ میں انتقال کیا۔ اور اس کی جگہ ابراہیم بن مسعود تخت نشین ہوا[4]

مسعود کی وفات سے ابراہیم کی تخت نشینی تک ۱۰ سال کا زمانہ تاریخ آل سبکتگین میں نہایت پرآشوب زمانہ گذرا ہے اس عرصہ میں سلاطین غزنویہ زیادہ تر خانہ جنگیوں میں مصروف رہے ہیں۔ مودود اور فرخ زاد کے زمانہ میں ان خانہ جنگیوں سے کسی قدر مہلت ملی۔ لیکن ان کا یہ زمانہ سلجوقی حملوں کی مدافعت میں صرف ہوگیا۔ اور ان کو امن واطمینان مطلق میسر نہیں آیا۔ ان کے عہد کے تاریخی صفحات علمی کارناموں سے بالکل خالی نظر آتے ہیں ابراہیم نے سلجوقیوں سے صلح کر لی جس کی وجہ سے فریقین کو اطمینان ہوگیا اور بہرام کے اخیر زمانہ تک قریباً اسی سال امن وامان کے ساتھ گذرے۔ اس عرصہ میں دربار غزنین پھر مرجع ارباب کمال ہوگیا۔ اور علماء، فضلاء، حکماء، شعراء غرض کہ ہر علم وفن کے ماہر غزنین میں جمع ہوگئے۔

امیر عنصر المعالی کیکاؤس اپنی آبائی حکومت سے محروم ہوگیا تو سلطان مودود کے زمانہ

(بقیہ صفحہ سابق) طبع کانپور صفحہ ۱۱۔ فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۴۶۔

[1] طبقات ناصری صفحہ ۱۶ تاریخ گزیدہ

[2] ابن اثیر جلد ۹ صفحہ ۳۰۲۔

[3] ابن اثیر جلد ۹ صفحہ ۳۹۰ و ۴۰۱۔

[4] ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۳۔

میں غزنین چلا آیا سلطان نے اس کی نہایت تعظیم وتکریم کی۔ اور اپنے ندیمان خاص میں شامل کر لیا اس کے بعد ایک عرصہ تک دربار غزنین میں رہا۔ اور آخر عمر میں ترک دنیا کر کے گیلان چلا گیا۔ اس واقعہ کا ذکر خود امیر کیکاؤس نے قابوس نامہ میں کیا ہے۔

بداں اے پسر کہ بروزگار پسر خال تو سلطان مودود بن مسعود کہ من بہ

غزنین آمدم مراسخت اعزاز واکرام کرد وچوں چند گاہی مرا بدید بیازمود مرا

ومنادمت خاص خویش داد[۱]

امیر کیکاؤس صاحب علم وفضل آدمی تھا۔ اس نے ایک کتاب قابوس نامہ لکھی ہے۔ اس میں ۴۴ باب ہیں اور ان میں حکمت عملی کے ان تمام مسائل کو بیان کیا ہے جو انسانی زندگی میں روزمرہ پیش آتے ہیں۔

فرخ زاد کے عہد حکومت میں دو آدمیوں نے خوب شہرت حاصل کی ہے ان میں پہلا نمبر ابو الفضل محمد بن الحسین البیہقی کا ہے۔ یہ شخص دربار آل سبکتگین کا مشہور مورخ ہے۔ نیشاپور کے مضافات میں بمقام بیہق پیدا ہوا۔ اور ۴۱۲ھ میں جب کہ اس کی عمر ۲۶ سال کے قریب تھی غزنین میں آکر شاہی ملازموں میں داخل ہو گیا۔ ابو نصر مشکان دیوان رسالت کے عہدہ پر مامور تھا۔ بیہقی نے ابو نصر کی وفات تک قریباً ۲۶ سال اس کی نیابت میں گزارے[۲] کچھ عرصہ کے لئے معزول بھی ہو گیا عبد الرشید نے اُسے اپنے زمانہ میں دیوان رسالت کی خدمت تفویض کر دی جس کو بیہقی نے اُس کی وفات تک انجام دیا۔ ابراہیم نے بیہقی کو معزول کر دیا۔ اس نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اور اپنی تاریخ کو لکھنا شروع کیا[۳] یہ کتاب چھوٹی چھوٹی ۳۰ جلدوں میں ہے اس میں دسویں جلد سے سلطان مسعود کے حالات شروع ہوتے ہیں۔ مسعود کی وفات پر جو ۴۳۲ھ میں واقع ہوئی ہے

---

[۱] قابوس نامہ صفحہ ۱۷۹۔ دولت شاہ صفحہ ۱۹۔ [۲] تاریخ بیہقی صفحہ ۵۹۰۔

[۳] تاریخ بیہقی صفحہ ۲۲۴۔

یہ کتاب ختم ہو گئی ہے۔ لیکن اُس کے ضمن میں مصنف نے ایسے واقعات بھی لکھے ہیں جو مسعود کی وفات کے بعد وقوع میں آئے ہیں۔

اس تاریخ کا کوئی خاص نام نہیں ہے۔ بعض قراین سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اس کے مختلف اجزا مختلف نام سے موسوم کئے تھے۔ چنانچہ اس کے ابتدائی حصہ کا نام جس میں سلطان محمود کے حالات ہیں تاریخ یمینی یا مقامات محمودی ہے[۱] منہاج سراج نے تاریخ ناصری۔ حمد اللہ مستوفی نے مجلدات ابوالفضل بیہقی۔ خوندمیر نے تاریخ آل سبکتگین کے نام سے اس کا ذکر کیا ہے[۲] ریو اور ایتھے نے اپنی فہرستوں میں تاریخ مسعودی لکھا ہے۔ اس کتاب کے اخیر ۱۲ اجزا کو جس میں سلطان مسعود کے حالات ہیں پروفیسر مارلے نے سنہ ۱۸۶۲ء میں بمقام کلکتہ چھپوایا ہے۔ اور اس کے عنوان پر اس کا نام تاریخ بیہقی تجویز کیا ہے۔ یہ کتاب سنہ ۱۳۱۳ھ میں طہران میں بھی چھپ گئی ہے سنہ ۴۷۰ھ میں بیہقی کا انتقال ہوا ہے[۳]

دوسرا ابوالحامد محمود بن عمر الجوہری الصائغ ہے۔ یہ فرخ زاد کا شاعرِ خاص تھا۔ ہرات اس کا وطن تھا عوفی نے اس کا کلام نقل کیا ہے[۴]

---

[۱] تاریخ بیہقی صفحہ ۵۰ و ۱۷۲۔ [۲] ریورٹی۔ ترجمہ طبقات ناصری بحوالہ مجمل فصیحی جلد اول صفحہ ۱۰۵ ریو جلد ا صفحہ ۱۵۸۔ الیٹ ہسٹری جلد ۲ میں تاریخ بیہقی کا ترجمہ شامل ہے۔ [۴] عوفی جلد ۲ صفحہ ۱۸۱۔

سلطان ابراہیم بن مسعود اور اُس کے جانشین

سلطان ابراہیم بن مسعود ۴۵۱ھ تا ۴۹۲ھ سلطان ابراہیم کے محاسن و مآثر۔ دربار کے اہلِ کمال ابوالعلا عطا بن یعقوب البناکوک۔ ابوحنیفہ اسکافی ابوالفرج رونی۔ مسعود ۴۹۲ھ تا ۵۰۸ھ۔ سلطان شیرزاد ۵۰۸ھ تا ۵۰۹ھ۔ سلطان ارسلان ۵۰۹ھ تا ۵۱۲ھ۔ ابونصر فارسی۔ مسعود سعد سلمان عثمان مختاری، شہریار نامہ۔

سلطان ابراہیم بن مسعود ۱۹ ماہ صفر ۴۵۱ھ کو سریر آرا ہوا[۱]۔ نہایت متقی اور دین دار بادشاہ تھا۔ باوجود عنفوانِ جوانی کے ممنوعاتِ شرعی اور تمام لذاتِ جسمانی اس نے ترک کر دیئے تھے۔ سال میں تین ماہ رجب۔ شعبان۔ رمضان میں روزے رکھا کرتا تھا[۲]۔ رات کو غزنین کے محلوں میں بذاتِ خود گشت کرتا۔ اور محتاجوں بیواؤں کو تلاش کر کے انھیں نقد و آذوقہ دیا کرتا تھا[۳]۔ خطِ نسخ میں اعلیٰ درجہ کا خوشنویس تھا۔ سال میں ایک کلام اللہ اپنے ہاتھ سے لکھتا اور اسے ایک سال مکہ کو اور دوسرے سال مدینہ کو روانہ کرتا تھا۔ اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کلام اللہ

---

[۱] تاریخ بیہقی صفحہ ۲۷۴۔

[۲] ابن اثیر جلد ۱۰ فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۴۸۔

[۳] دولت شاہ صفحہ ۴۹۔

مدینہ منورہ کے کتب خانہ میں جہانگیر کے زمانہ تک موجود تھے[1] اس کو تعمیرات عامہ کا نہایت شوق تھا۔ اپنے عہد حکومت میں چار سو سے زیادہ مدارس خانقاہات، رباطات، اور مساجد تعمیر کرائے تھے۔ خزانہ شاہی میں ایک عظیم الشان دارالادویہ بھی قائم کیا تھا۔ جس میں جمیع امراض کے ادویہ واشربہ رعایا کو مفت ملا کرتے تھے[2] اس مخزن میں خصوصاً امراض چشم کی دوا نہایت نایاب تھی[3] سادات کرام اور علمائے عظام کی بڑی قدر و منزلت کیا کرتا تھا اور اپنی تمام لڑکیاں انھیں سے منسوب کردی تھیں[4] مشہور مورخ منہاج الدین سراج کے آبا واجداد اسی بادشاہ کے زمانہ میں جوزجان سے آکر غزنین میں آباد ہوئے تھے۔ ابراہیم بن عبدالخالق جرجانی جو منہاج سراج کا جد سوم ہے بڑا زبردست عالم تھا۔ اور بادشاہ نے اپنی ایک لڑکی کا عقد اس کے ساتھ کردیا تھا[5]

عوفی نے جوامع الحکایات میں لکھا ہے کہ سلطان ابراہیم سال میں ایک بار دربار میں مجلس وعظ منعقد کرتا تھا جس میں امام یوسف سجاوندی وعظ فرمایا کرتے تھے۔ دوران تقریر میں امام صاحب سلطان کو مخاطب کرکے بے محابا اور درشت باتیں کرتے تو ان سے سلطان آزردہ خاطر اور ملول نہیں ہوتا تھا[6]

مشہور ادیب ابوالعلا عطا بن یعقوب المعروف بناکوک سلطان ابراہیم کا کاتب تھا۔ عربی فارسی میں اس کے دو دیوان ہیں اور انھیں عرب وعجم میں قبول عام حاصل ہوا ہے مشہور شاعر اعشی نے ایک قصیدہ لکھا تھا جو بلاد عرب میں نہایت مشہور ہے اس کا ایک مصرعہ یہ ہے۔

---

[1] فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۴۸

[2] تذکرہ دولت شاہ صفحہ ۴۹۔

[3] بدایونی جلد ۱ صفحہ ۱۱۔

[4] طبقات ناصری صفحہ ۲۰۔

[5] طبقات ناصری صفحہ ۲۱۔

[6] جوامع الحکایات ایلیٹ ہسٹری جلد ۲ صفحہ ۱۱۔ فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۴۸

الم تفتحص عیناک لیلتہ ارمدا

ابو العلا نے اس کے جواب میں ایک قصیدہ لکھا ہے۔ اور اس میں جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ کے محامد و فضائل بیان کئے ہیں۔ اس قصیدہ کے دو شعر یہ ہیں۔

العبد الدنیا و الدینۃ اعبدا | وفضل آلہی ماج کالبحر مزبدا
عطاجبانا لایحیط بعدہٗ | حساب عطاء الف عام مرددا

سلطان نے کسی وجہ سے ناراض ہو کر اس کو قلعہ لاہور میں قید کر دیا۔ ابو العلا نے آٹھ سال قید خانہ میں بسر کئے اس عرصہ میں سلطان کا غصہ فرو ہو گیا۔ تو ابو العلا نے ایک مدحیہ قصیدہ لکھ کر پیش کیا جس سے خوش ہو کر سلطان نے اسے رہا کر دیا۔ اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے۔

مست و شادان در آمد از درم | کرده سجاده درج درمیتم
زیر خط زبر جدش سیمے | زیر زلف سعنبرش صد جیم

مسعود سعد سلمان نے ابو العلا کی مدح میں قصائد غرا موزوں کئے ہیں اور وفات کا پر درد مرثیہ بھی لکھا ہے جس کا ایک شعر یہ ہے۔

از وفات عطا ابن یعقوب | تازه تر شد وقاحت عالم

۴۹۱ھ میں ابو العلا کا انتقال ہوا ہے[1]

سلطان ابراہیم کے زمانہ میں بہت سے شعرا گذرے ہیں۔ لیکن ان میں ابو حنیفہ اسکافی ابو الفرج رونی مسعود سعد سلمان نہایت مشہور شاعر ہیں۔

ابو حنیفہ اسکافی۔ لباب الالباب اور چہار مقالہ میں اسکاف یائے نسبتی کے بغیر لکھا ہوا ہے تاریخ بیہقی اور اکثر تذکروں میں اسکافی یائے نسبتی کے ساتھ مسطور ہے۔ بیہقی چونکہ ابو حنیفہ کا معاصر

---

[1] عوفی جلد ۲ صفحہ ۲۰، و ۳۰۲۔ مجمع الفصحا جلد ۱ صفحہ ۳۴۳۔ اعشی کے اشعار کتاب الاغانی جلد ہشتم صفحہ ۸۵ پر درج ہیں۔ ابو القاسم علی بن الحسن الباخرزی نے دمیۃ القصر میں ابو العلا کے عربی اشعار کو نقل کیا ہے۔ مسعود سعد سلمان کا مرثیہ مجمع الفصحا میں مذکور ہے۔

اور رفیق ہے۔ اس لئے اس کا قول جمیع اقوال پر فوقیت رکھتا اور بیہقی نے مختلف مواقع پر ابو حنیفہ کا ذکر کیا ہے۔ اولاً ۴۳۱ھ میں جب کہ سلطان مسعود مرو کے پاس شکست اٹھا کر غزنین میں واپس آیا[1] ثانیاً ۴۵۱ھ میں فرخ زاد کے اخیر زمانہ میں[2] ثالثاً سلطان ابراہیم کے حالات جلوس میں[3] ان بیانات سے ظاہر ہے کہ ابو حنیفہ کو مسعود کے زمانہ سے دربار سے تعلق تھا۔

صاحب مجمع الفصحاء نے ابو حنیفہ کے حالات کسی قدر تفصیل سے بیان کئے ہیں[4] لیکن وہ سب غلط ہیں۔ پہلی غلطی یہ ہے کہ اس نے ابو حنیفہ اسکافی اور ابو القاسم اسکافی میں کوئی امتیاز نہیں کیا ہے۔ دوم یہ کہ ابو حنیفہ کا ۳۸۶ھ وفات لکھا ہے اور اس کو سلطان ابراہیم کے شعرائے خاص میں شمار کیا ہے جس کا زمانہ حکومت ۴۵۱ھ سے ۴۹۳ھ تک ہے۔ سوم لکھا ہے کہ ابو حنیفہ اسکافی نوح بن منصور سامانی کا کاتب تھا۔ لیکن اس کی ناقدری سے ہرات میں آکر الپتگین کا ملازم ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد نوح بن منصور نے الپتگین کو شکست دی۔ اور ابو حنیفہ کو بلا کر دار الانشاء کا افسر بنایا۔ نوح بن منصور ۳۶۶ھ میں برسر حکومت ہوا ہے۔ اور جلوس نوح سے تقریباً ۱۴ یا ۱۵ سال پہلے ۳۵۱ھ یا ۳۵۲ھ میں الپتگین نے وفات پائی ہے۔ پس دونوں کے مابین لڑائی کا ہونا امر محال ہے ابو الفرج بن مسعود الرونی[5] سلطان ابراہیم کے زمانہ کا مشہور شاعر ہے۔ وزیر مملکت خواجہ محمد بن بہروز بن احمد کا ندیم تھا۔ سلطان مسعود بن ابراہیم کے زمانہ میں اس کا انتقال ہوا ہے۔ محمد عوفی اور امین رازی نے لکھا ہے کہ مضافات لاہور کا باشندہ تھا۔ ملا عبد القادر بدایونی کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ رونی منسوب ہے رون سے اور وہ نام ہے نواح لاہور کے ایک قریہ کا۔

---

[1] تاریخ بیہقی طہران صفحہ ۱۳۶ و ۳۳۳۔
[2] تاریخ بیہقی طہران صفحہ ۲۷۶ و ۲۸۱۔
[3] تاریخ بیہقی صفحہ ۳۸۷ و ۳۹۱۔
[4] مجمع الفصحا جلد ۱ صفحہ ۱۵۔
[5] عوفی جلد ۲ صفحہ ۲۴۱۔ بدایونی صفحہ ۱۱ و ۱۲۔ فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۴۹۔ ریو جلد ۲ صفحہ ۵۴۷۔ مجمع الفصحا جلد ۱ صفحہ ۷۔

استاد ابوالفرج رونی ہم مداح سلطان ابراہیم بودہ ہم مداح سلطان
مسعود۔ وقصاید بسیار بنام ایشان در دیوان اوست۔ ورون نام
دیہی ست از توابع لاہور ودرین روزگار گویا خراب است۔ واثر
ازو باقی نماندہ۔

فرہنگ جہانگیری اور برہان قاطع سے بھی ملا صاحب کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے
ان دونوں کتابوں میں لکھا ہے کہ رون ہندوستان کے ایک قریہ کا نام ہے حمد اللہ مستوفی نے
تاریخ گزیدہ میں تحریر کیا ہے کہ ابوالفرج رونہ کا باشندہ تھا۔ جو خراسان کے علاقہ خاوران کا ایک
قریہ ہے۔ علی قلی خاں والہ داغستانی اور لطف علی آذری نے بھی اسی کی پیروی کی ہے۔ صاحب
مجمع الفصحا نے رونہ کا محل وقوع نیشاپور کے قرب وجوار میں بتایا ہے۔ لیکن اخیر کے دونوں قول
بے اصل ہیں۔

تقی الدین کاشی نے ابوالفرج کی تاریخ انتقال ۴۸۹ھ بیان کی ہے۔ ویلکن نے روضۃ
الصفا کے ایک حاشیہ میں تاریخ نادر الزمانی کے حوالہ سے ۵۰۲ھ لکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں
قول بے بنیاد ہیں۔ کیونکہ ابوالفرج کے دیوان میں سلطان مسعود بن ابراہیم کی مدح کے قصائد
موجود ہیں۔ مسعود ۴۹۲ھ میں برسر حکومت ہوا ہے۔ پس ثابت ہے کہ ۴۹۲ھ میں ابوالفرج بقید
حیات موجود تھا۔

مورخ فرشتہ نے ابوالفرج سنجری کو بلا امتیاز ایک سمجھا ہے اور اس بارے میں
اس سے خطائے عظیم سرزد ہوگئی ہے۔

ابوالفرج سنجری عنصری کا استاد ہے۔ اور آل سیمجور کے زمانہ میں گذرا ہے امیر ابو علی
سیمجور اور سلطان محمود کے مابین جب لڑائی ہوئی تو ابوالفرج نے ابو علی کے ایما سے آل سبکتگین
کی ہجو لکھی جس کی وجہ سے سلطان محمود کو سخت غصہ آیا۔ اور جب سلطان نے آل سیمجور کا استیصال
کر دیا تو ابوالفرج کو قتل کرانا چاہا لیکن حکیم عنصری نے اس کی سفارش کی جس کی وجہ سے سلطان نے

استاد ابوالفرج رونی ہم مداح سلطان ابراہیم بودہ وہم مداح سلطان مسعود۔ وقصاید بسیار بنام ایشان در دیوان اوست۔ ورون نام دہی ست از توابع لاہور ودرین روزگار گویا خراب است۔ واثر ازو باقی نماندہ۔

فرہنگ جہانگیری اور برہان قاطع سے بھی ملا صاحب کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے ان دونوں کتابوں میں لکھا ہے کہ رون ہندوستان کے ایک قریہ کا نام ہے حمداللہ مستوفی نے تاریخ گزیدہ میں تحریر کیا ہے کہ ابوالفرج رونہ کا باشندہ تھا۔ جو خراسان کے علاقہ خاوران کا ایک قریہ ہے۔ علی قلی خاں والہ واغستانی اور لطف علی آذری نے بھی اسی کی پیروی کی ہے۔ صاحب مجمع الفصحا نے رونہ کا محل وقوع نیشاپور کے قرب وجوار میں بتایا ہے۔ لیکن اخیر کے دونوں اقوال بے اصل ہیں۔

تقی الدین کاشی نے ابوالفرج کی تاریخ انتقال سنہ ۴۸۹ھ بیان کی ہے۔ ویلکن نے روضۃ الصفا کے ایک حاشیہ میں تاریخ نادرالزمانی کے حوالہ سے سنہ ۴۰۲ھ لکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں قول بے بنیاد ہیں۔ کیونکہ ابوالفرج کے دیوان میں سلطان مسعود بن ابراہیم کی مدح کے قصائد موجود ہیں۔ مسعود سنہ ۴۹۲ھ میں برسر حکومت ہوا ہے۔ پس ثابت ہے کہ سنہ ۴۹۲ھ میں ابوالفرج بقید حیات موجود تھا۔

مورخ فرشتہ نے ابوالفرج سنجری کو بلا امتیاز ایک سمجھا ہے اور اس بارے میں اس سے خطائے عظیم سرزد ہوگئی ہے۔

ابوالفرج سنجری عنصری کا استاد ہے۔ اور آل سیمجور کے زمانہ میں گذرا ہے امیر ابوعلی سیمجور اور سلطان محمود کے مابین جب لڑائی ہوئی تو ابوالفرج نے ابوعلی کے ایما سے آل سبکتگین کی ہجو لکھی جس کی وجہ سے سلطان محمود کو سخت غصہ آیا۔ اور جب سلطان نے آل سیمجور کا استیصال کر دیا تو ابوالفرج کو قتل کرانا چاہا لیکن حکیم عنصری نے اس کی سفارش کی جس کی وجہ سے سلطان نے

استاد ابوالفرج رونی ہم مداح سلطان ابراہیم بودہ ہم مداح سلطان مسعود۔ وقصاید بسیار بنام ایشان در دیوان اوست۔ و رون نام دیہی ست از توابع لاہور و درین روزگار گویا خراب است۔ و اثرے ازو باقی نماندہ۔

فرہنگ جہانگیری اور برہان قاطع سے بھی ملا صاحب کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے ان دونوں کتابوں میں لکھا ہے کہ رون ہندوستان کے ایک قریہ کا نام ہے حمد اللہ مستوفی نے تاریخ گزیدہ میں تحریر کیا ہے کہ ابوالفرج رونہ کا باشندہ تھا۔ جو خراسان کے علاقہ خاوران کا ایک قریہ ہے۔ علی قلی خاں والہ داغستانی اور لطف علی آذری نے بھی اسی کی پیروی کی ہے۔ صاحب مجمع الفصحا نے رونہ کا محل وقوع نیشاپور کے قرب وجوار میں بتایا ہے۔ لیکن اخیر کے دونوں اقوال بے اصل ہیں۔

تقی الدین کاشی نے ابوالفرج کی تاریخ انتقال ۴۸۹ھ بیان کی ہے۔ ویلکن نے روضۃ الصفا کے ایک حاشیہ میں تاریخ نادر الزمانی کے حوالہ سے ۵۰۲ھ لکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں قول بے بنیاد ہیں۔ کیونکہ ابوالفرج کے دیوان میں سلطان مسعود بن ابراہیم کی مدح کے قصائد موجود ہیں۔ مسعود ۴۹۲ھ میں برسر حکومت ہوا ہے۔ پس ثابت ہے کہ ۴۹۲ھ میں ابوالفرج بقید حیات موجود تھا۔

مورخ فرشتہ نے ابوالفرج سنجری کو بلا امتیاز ایک سمجھا ہے اور اس بارے میں اس سے خطائے عظیم سرزد ہوگئی ہے۔

ابوالفرج سنجری عنصری کا استاد ہے۔ اور آل سیمجور کے زمانہ میں گذرا ہے امیر ابوعلی سیمجور اور سلطان محمود کے مابین جب لڑائی ہوئی تو ابوالفرج نے ابوعلی کے ایما سے آل سبکتگین کی ہجو لکھی جس کی وجہ سے سلطان محمود کو سخت غصہ آیا۔ اور جب سلطان نے آل سیمجور کا استیصال کر دیا تو ابوالفرج کو قتل کرانا چاہا لیکن حکیم عنصری نے اس کی سفارش کی جس کی وجہ سے سلطان نے

مسعود سعد سلمان[1]۔ مولانا آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان فی آثار الہندوستان میں لکھا ہے کہ اُس کے آبا و اجداد ہمدان کے رہنے والے تھے۔ سلاطین غزنویہ کے زمانہ میں آکر ہندوستان میں سکونت پذیر ہوئے۔ مسعود سعد سلمان لاہور میں پیدا ہوا۔ برخلاف اِس کے تقی کاشی۔ والہ داغستانی۔ صاحب مجمع الفصحا وغیرہ نے خاص ہمدان کو اُس کا مولد و منشا بتایا ہے۔ لیکن خود مسعود کے ایک بیت سے ظاہر ہے کہ اُس کے خاندان کی اصل ہمدان ہے، نہ یہ کہ اُسکا مولد و منشاء ہمدان ہے

گر دل بطمع بستم شعر ست صناعت — ور احمقی کردم اصل از ہمدان ست

مسعود نے ایک قصیدہ سلطان ابراہیم کی مدح میں لکھا ہے۔ اُس میں بیان کرتا ہے کہ اُس کے بہت سے قرابتدار ہندوستان میں ہیں۔ سعد بن سلمان نے ساٹھ سال تک اس سرزمین میں مختلف خدمات کو انجام دیا ہے اِس عرصہ میں اُسی جگہ عقد کیا۔ اور اُس سے کئی لڑکے لڑکیاں تولد ہوئیں۔

اے زمین بحق شدہ خسرو — اے زمان را قبول کردہ ضماں

شصت سال ست تا کہ خدمت کرد — پدر بندہ سعد بن سلماں

گہ باطراف بودی عمّال — کہ بدرگاہ بودی از اعیاں

دختری خورد دارم و پسری — با دو خواہر ببوم ہندستاں

دختر از اشک دیدہ نابینا — پسر از روزگار سر گرداں

سی چہل تن ز خویش و ز پیوند — بستہ در راحت تو جان و رواں

مسعود سعد سلمان نے پانچ بادشاہوں کی مدح میں قصائد لکھے ہیں۔

---

[1] عونی جلد ۲ صفحہ ۲۴۶۔ سبحۃ المرجان ترجمہ صفحہ ۶۰۔ مجمع الفصحا جلد ۱ صفحہ ۱۹۰ ۵۱۲ تا ۵۲۰۔ براؤن جلد ۲ ریو جلد ۲ صفحہ ۲۔

محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے مسعود سعد سلمان کے حالات نہایت تحقیقات کے بعد کمال شرح و بسط کے ساتھ لکھے ہیں جسے پروفیسر براؤن نے انگریزی میں ترجمہ کیا اور یہ مضمون رسالہ جات رائل ایشیاٹک سوسائٹی بابتہ سنہ ۱۹۰۵ء و سنہ ۱۹۰۶ء میں شائع ہوا ہے۔

۱۔ سلطان ابراہیم بن مسعود ۴۵۱ھ ۴۹۲ھ

۲۔ سلطان مسعود بن ابراہیم ۴۹۲ھ ۵۰۸ھ

۳۔ سلطان عضد الدولہ شیرزاد بن مسعود ۵۰۸ھ ۵۰۹ھ

۴۔ سلطان ارسلان شاہ بن مسعود ۵۰۹ھ ۵۱۲ھ

۵۔ سلطان بہرام شاہ بن ابراہیم ۵۱۲ھ ۵۴۷ھ

علاوہ ازیں بہت سے قصاید سیف الدولہ محمود بن ابراہیم کی مدح میں بھی ہیں۔

سلطان ابراہیم نے ۴۶۹ھ میں سیف الدولہ کو ہندوستان کا گورنر مقرر کیا تھا۔ مسعود اوائل عمر میں سیف الدولہ کے ندیموں میں شامل ہوگیا۔ سلطان ابراہیم کے پاس کسی نے مخبری کی کہ سیف الدولہ کے سر میں سودائے خودسری سمایا ہے اور اُس نے بھاگ کر ملک شاہ سلجوقی کے پاس جانے کی تیاری شروع کی ہے۔ اِس الزام میں سلطان نے سیف الدولہ اور اُس کے ندیم مسعود کو قید کردیا۔ مسعود نے دس سال قید میں گزارے۔ اِس کے بعد امیر ابوالقاسم کی سفارش سے نجات حاصل کی۔

سلطان مسعود نے برسرِ حکومت ہونے کے بعد اپنے لڑکے عضد الدولہ شیرزاد کو ہندوستان کی حکومت عنایت کی۔ اور ابونصر فارسی کو اُس کا نائب اور سپہ سالار مقرر کیا۔ ابونصر سے مسعود کے دوستانہ تعلقات تھے۔ ابونصر جب ہندوستان میں آیا تو مسعود سعد کو جالندھر کی صوبہ داری پر مامور کردیا۔ ۴۹۲ھ میں ابونصر معتوب شاہی ہوکر قید ہوگیا اُس کے ساتھ مسعود سعد بھی قید کردیا گیا۔ آٹھ سال کے بعد ثقۃ الملک طاہر بن علی مشکان کی سفارش سے ۵۰۰ھ میں رہائی پائی۔ اِس کے بعد بقیہ عمر گوشہ نشینی میں گزاری۔ اور ۵۱۵ھ میں اسّی سال کی عمر میں انتقال کیا۔

مسعود کی تصنیفات سے عربی فارسی ہندی تین زبانوں میں تین دیوان ہیں۔ فارسی دیوان موجود ہے جس میں پندرہ ہزار اشعار ہیں۔ عربی ہندی ناپید ہوگئے ہیں۔ رشید الدین وطواط نے حدائق السحر میں چند عربی اشعار کو نقل کیا ہے۔ منجملہ اُن کے ایک قطعہ یہ ہے۔

ولیس کان الشمس ضلت قمرا ولیس لہا نحو المشارق مرجع
نظرت الیہ والظلام کا نہ علی العین غربان من الجو وقع

سراج الدین عثمان بن محمد المختاری غزنین کا باشندہ ہے۔ اُس نے اپنے قصائد چھ بادشاہوں کی مدح میں لکھے ہیں۔ ان میں پہلے چار بادشاہ غزنویہ خاندان سے ہیں۔

۱۔ سلطان مسعود بن ابراہیم سنہ ۴۹۲ھ سنہ ۵۰۸ھ

۲۔ عضدالدولہ شیرزاد بن مسعود سنہ ۵۰۸ھ سنہ ۵۰۹ھ

۳۔ سلطان ارسلان بن مسعود سنہ ۵۰۹ھ سنہ ۵۱۲ھ

۴۔ بہرام شاہ بن ابراہیم سنہ ۵۱۲ھ سنہ ۵۴۷ھ

۵۔ معزالدین ارسلان شاہ بن کرمان شاہ بن قاورد جو کرمان کے خاندان سلجوقیہ کا ساتواں فرماں روا ہے اور سنہ ۴۹۴ھ سے سنہ ۵۳۶ھ تک اس نے حکومت کی ہے۔

۶۔ ارسلان خاں بن محمد بن سلیمان۔ جو ماوراء النہر کے ترکان آل افراسیاب کا اخیر فرمانروا ہے اور سنہ ۴۹۵ھ سے سنہ ۵۲۴ھ تک حکمراں رہا ہے۔

تقی کاشی اور صاحب مجمع الفصحا نے لکھا ہے کہ سنہ ۵۵۴ھ میں اُس کا انتقال ہوا۔ تقی اوحدی نے سنہ ۵۴۴ھ اُس کی تاریخ وفات بیان کی ہے۔ لیکن یہ تاریخ یقیناً غلط ہے۔ کیونکہ اُس کے کلام میں جن بادشاہوں کے مدائح موجود ہیں وہ سب سنہ ۵۴۴ھ کے بعد گزرے ہیں۔

صاحب مجمع الفصحا نے عضدالدولہ سے عضدالدولہ دیلمی مراد لیا ہے۔ لیکن یہ بھی صریح غلطی ہے۔ کیونکہ مختاری کی وفات سنہ ۵۵۴ھ سے ایک سو اسّی سال پہلے سنہ ۳۷۲ھ میں عضدالدولہ دیلمی کا انتقال ہوگیا تھا۔

مختاری نے سلطان مسعود کی فرمائش سے شاہنامہ کی طرز پر شہریار نامہ لکھا ہے اور اُس میں شہریار بن برزو بن سہراب کی داستان اور اُس کے معرکہ آرائیوں کے افسانے بیان کئے ہیں۔ دیباچہ میں وجہ تالیف اس طرح بیان کی ہے۔

بسر شد کنون نامهٔ شهریار — بتوفیقِ یزدانِ پروردگار

شها شهریارا سراسرورا — نگهدار تخت و جهان داورا

چو فرمودیم داستانی بگوی — بگفتم باقبالِ فرهنگ جوی

سه سال اندرین رنج بر داشتم — سخن آنچه بر هیچ نگذاشتم

بنظم آوریدم باقبالِ شاه — شهی شهریاران و ظلِ اله

که تاجت فروزنده چون هور باد — زتیغت جهان جمله پرنور باد

گلِ باغ و بستانِ محمود شاه — جهان جوی بخشنده مسعود شاه

چو مختاری آن باور داستان — بنام تو گفت ای شه داستان

گرم هدیه بخشی درین بارگاه — ق — بپیشِ بزرگانِ با عز و جاه

شوم شاد و افزون شود جاهِ تو — جهان برج گویم بدرگاهِ تو

وگر هدیه ندهی ایا شهریار — نه رنجم که هستی خداوندگار

زبانِ من از هجو کوتاه باد — همیشه ثنا گوی آن شاه باد

نه فردوسی اکنون سخن یاد دارد — که شد بر سر رزم اسفندیار

باب دہم

بہرام شاہ

بہرام شاہ (۵۱۲ھ تا ۵۴۷ھ) بہرام شاہ کا مذاق علمی۔ نصراللہ مستوفی۔ کلیلہ دمنہ کلیلہ دمنہ کا مصنف کلیلہ دمنہ کا عربی ترجمہ۔ ابن المقفع۔ نصراللہ کا ترجمہ اور وہ کتابیں جو نصراللہ کے ترجمہ سے اخذ وانتخاب ہوئی ہیں۔ کلیلہ دمنہ کا سنسکرت نسخہ اور اُس کے سریانی اور عربی تراجم اور اُن کے ابواب وفصول کلیلہ دمنہ کے تراجم۔ امام فخرالدین نیشاپوری۔ ان کی تصنیفات۔ مجدالدین بن طیفور السجاوندی۔ حکیم مجدالدین سنائی۔ عبدالواسع جبلی۔ شرف الدین حسن علوی دیگر شعرائے دربار۔

بہرام شاہ ذی شوکت، دانشمند، صاحب فضل اور عالم نواز بادشاہ ہوا ہے۔ اُس کے دربار میں علماء، فضلاء، شعراء کثرت سے جمع تھے۔ اور شہر غزنین اُس وقت مرکز اہل فضل ہو گیا تھا۔ اکثر علماء نے اُس کے نام پر کتابیں لکھی ہیں۔ منجملہ ان کے دو کتابیں نہایت مشہور اور مقبول عام ہیں۔ ایک کلیلہ دمنہ۔ دوسری کتاب الحدیقہ[1] فرشتہ اور نیز اُس کی پیروی میں بعض دوسرے مصنفین نے لکھا ہے کہ مولانا نظامی گنجوی نے مخزن الاسرار بھی اسی بادشاہ کے نام پر تصنیف کی ہے۔ لیکن

[1] دولت شاہ صفحہ ۰۰۰

یہ سہو عظیم ہے کیونکہ مولانا نے مخزن الاسرار کو ۵۸۲ھ میں تصنیف کیا ہے۔

از گہ ہجرت شدہ تا ایں زماں — پانصد و ہشتاد و دو افزوں بداں

بہرام شاہ نے تصنیف کتاب سے ۴۳ سال پہلے ۵۴۸ھ میں انتقال کیا ہے[1]۔ یہ غلطی محض اشتراک نام کی وجہ سے ہوئی ہے۔ فخر الدین بہرام شاہ جس کے نام پر مولانا نے یہ کتاب لکھی ہے وہ اور شاہ بادشاہ آرمینہ کا فرزند اور ارزنجاں کا حاکم تھا۔ سلاجقہ روم کے چھٹے بادشاہ اعز الدین قلج ارسلان (۵۵۱ھ تا ۵۸۸ھ) نے اپنی دختر سے اس کا عقد کر دیا تھا۔ ۶۲۲ھ میں اُس نے وفات پائی ہے۔ بڑا ذی علم اور سخی امیر گزرا ہے۔ مخزن الاسرار کے صلہ میں اُس نے مولانا نظامی کے یہاں پانچ ہزار اشرفیاں ایک قطار اونٹ اور بہت سے نفیس اور قیمتی کپڑے روانہ کئے تھے[2]۔ جن ارباب کمال کو بہرام شاہ کے دربار سے تعلق رہا ہے اُن کی فہرست طولانی ہے منجملہ ان کے بعض مشاہیر کے نام اور ان کے حالات ذیل میں درج ہیں۔

ابو المعالی نصر اللہ بن عبد الحمید المستوفی۔ سلطان ابراہیم کے زمانہ میں دار الانشار کا افسر تھا۔ بہرام شاہ نے اپنے عہد میں دیوان الاستیفا کی خدمت جلیلہ پر مامور کیا علم و فضل اور دولت و ثروت میں یکتائے زمانہ ہوا ہے۔ خسرو ملک جب برسر حکومت ہوا تو اُس کو کسی الزام میں قید کر دیا۔ اور اسی حالت میں اُس کا انتقال ہو گیا۔ بہرام شاہ کے حکم سے اُس نے عربی سے کلیلہ دمنہ کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے[3]۔

کلیلہ دمنہ جس کو حکایات حکیم بید پائے بھی کہتے ہیں بہت سی فرضی کہانیوں کا مجموعہ ہے اور ان کہانیوں میں حیوانات کو ناطق کی حیثیت سے دکھلایا گیا ہے۔ قدیم ہندوستانیوں نے اس قسم کی متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں ان میں پنچ ترسب سے قدیم اور ابتدائی کتاب ہے وشنو سرین کو اس کا مصنف کہا جاتا ہے۔ اسی مصنف نے اسی قبیل کی ایک اور کتاب

---

[1] ابن اثیر　[2] ہفت اقلیم　[3] عوفی جلد اصفحہ ۲

تصنیف کی ہے۔ جس کا نام ہتوا پدیش ہے[1]

کلیلہ دمنہ کی بنیاد پنج تنتر کے حکایات پر ہے۔ کسریٰ نوشیروان ۵۳۱ء تا ۵۷۹ء کے زمانہ میں ۵۷۰ء کے قریب سنسکرت سے پہلوی زبان میں ان حکایات کا ترجمہ ہوا۔ پھر اس پہلوی ترجمہ سے یہ کتاب سریانی اور عربی زبانوں میں ترجمہ کی گئی۔ سریانی ترجمہ کی صحیح تاریخ نہیں ملتی اور نہ مترجم کا نام معلوم ہے۔ عربی ترجمہ خلیفہ منصور عباسی کے زمانہ میں ۷۵۰ء کے قریب بمقام بغداد ہوا ہے اور مترجم عبداللہ ابن مقفع ہے۔

ابن المقفع خلیفہ المنصور کے دربار کا کاتب تھا۔ فارسی اس کی مادری زبان تھی۔ یونانی بھی جانتا تھا۔ عربی میں کمال حاصل تھا۔ علمائے ادب تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام میں آج تک ایسا فصیح و بلیغ مقرر اور صاحب قلم نہیں ہوا ہے۔ ادبائے عرب میں ابلغ الناس کے لقب سے دس آدمی مشہور ہیں۔ ان میں سب سے پہلے ابن المقفع کا نام آتا ہے ابن المقفع نے کلیلہ دمنہ کے علاوہ فارسی، سریانی، یونانی وغیرہ زبانوں میں اور بھی کتابیں ترجمہ کی ہیں منجملہ ان کے چند کتابوں کے نام یہ ہیں۔ خدائی نامہ۔ آئین نامہ، مزدک نامہ، سیر ملوک الفرس، آداب الکبیر، کتاب آداب الصغیر وغیرہ[2]

اصل سنسکرت اور پہلوی ترجمہ دونوں مفقود ہیں۔ آج دنیا میں کلیلہ دمنہ کے جس قدر ترجمے موجود ہیں ان سب کی اصل یہی عربی ترجمہ ہے۔ کلیلہ دمنہ عربی سے حسب ذیل زبانوں میں ترجمہ ہوئی ہے۔ سریانی، عبرانی، یونانی، لاطینی، فارسی، اسپانش وغیرہ۔ دیگر ترجموں کا حال چونکہ ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ اس لئے اُسے قلم انداز کر کے صرف فارسی ترجمہ کا حال بیان کرتے ہیں۔

سب سے پہلے امیر نصر بن احمد سامانی (۳۰۱ھ تا ۳۳۱ھ) کی فرمایش سے ابو عبداللہ رودکی نے

---

[1] انڈین ورژڈم صفحہ ۵۰۲ و ۵۰۰۔ [2] ابن ندیم صفحہ ۱۱۸۔ ابن ابی اصیبعہ جلد ۱ صفحہ ۳۰۸۔ التنبیہ والاشراف صفحہ ۱۰۱

نے حکایات کلیلہ ودمنہ کو فارسی زبان میں نظم کیا۔ یہ کتاب اس وقت ناپید ہے صرف دو چار شعر ملتے ہیں جنہیں حکیم اسدی طوسی نے اپنی لغت میں بطور شواہد کے نقل کیا ہے۔ اور ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثنوی مولانا روم کی بحر میں لکھی گئی تھی۔ اس کے قریباً دو سال بعد نصر اللہ مستوفی نے کلیلہ ودمنہ کو فارسی نثر میں ترجمہ کیا[1]

مولانا حسین واعظ نے نصر اللہ کے ترجمہ کو پیش نظر رکھ کر اپنے طور پر انوار سہیلی تصنیف کی۔ یہ کتاب سلطان حسین مرزا بایقرا کے سپہ سالار امیر نظام الدین احمد سہیلی المتوفی ۹۰۷ھ کی فرمائش سے لکھی گئی ہے۔ اور اسی مناسبت سے مولانا نے اس کا نام انوار سہیلی رکھا ہے[2]

انوار سہیلی مشرق ومغرب کی متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو گئی ہے۔ ترکی زبان میں علی چلپی نے ترجمہ کیا۔ اس کا نام عبد الواسع علی بن چلپی ہے۔ انگوریہ کا باشندہ تھا۔ ۹۵۰ھ میں فوت ہوا۔ ترجمہ کا نام ہمایوں نامہ ہے۔ ۱۷۲۴ء میں ہمایوں نامہ کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں ہوا
اردو میں سب سے پہلے ابراہیم علی بیجاپوری نے ترجمہ کیا جو ۱۸۲۴ء میں بمقام مدراس چھپا ہے اور قدیم زبان میں ہے۔ واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کے زمانہ میں فقیر محمد خاں گویا نے لکھنو کی روزمرہ میں ایک اور ترجمہ کیا۔ جس کا نام بستان حکمت ہے۔ اور لکھنو، دہلی وغیرہ میں کئی بار چھپا ہے
انگریزی میں دو ترجمے بہت مشہور ہیں۔ پہلا اسٹواک کا جو ہرٹفورڈ میں ۱۸۵۴ء میں چھپا ہے۔ دوسرا ولسٹن کا جو ۱۸۷۷ء میں لندن میں چھپا ہے۔

نصر اللہ کا ترجمہ مشکل اور مغلق زبان میں تھا۔ اس لئے وزیر ابو الفضل علامی نے شہنشاہ اکبر کے حکم سے اس کو ۱۵۵۵ء میں سلیس عبارت میں لکھا۔ اور اس کا نام عیار دانش رکھا۔ منشی نولکشور نے جن کا مطبع ہندوستان میں مشہور ہے عیار دانش کا خلاصہ کیا۔ اور اس کا نام نگار دانش رکھا۔ گورنر جنرل مارکوئیس ولزلی کے زمانہ میں جان گلکرسٹ کی فرمائش سے مولوی حفیظ الدین احمد

[1] ریو جلد ۲ صفحہ ۷۴۷۔
[2] ریو جلد ۲ صفحہ ۷۵۶۔

نے عیار دانش کا اُردو میں ترجمہ کیا۔ اور خرد افروز اس کا نام رکھا۔ یہ ترجمہ سول سروس کے امتحان میں شریک ہے۔ اور کلکتہ و لندن میں کئی بار چھپا ہے۔

پنج تنتر کے معنی ہیں "پانچ ابواب کا مجموعہ" جرمن کے ایک مشہور عالم پروفیسر بن فائی نے اصل سنسکرت سے جرمن میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔ اور اُسے ۱۸۵۹ء میں چھپوایا ہے پروفیسر موصوف کا خیال ہے کہ یہ کتاب اصل میں تیرہ یا اس سے زیادہ ابواب میں تھی۔ امتداد زمانہ کے باعث اس کا بہت بڑا حصہ تلف ہو گیا۔ اور صرف پانچ باب زمانہ کی دست برد سے بچ رہے اور زمانہ مابعد میں پنج تنتر کے نام سے مشہور ہوئے ہیں جو کتاب پہلوی میں ترجمہ ہوئی وہ موجودہ پنج تنتر نہ تھے۔ بلکہ مکمل مجموعہ تھا جس کا بقیہ حصہ موجودہ پنج تنتر ہے۔

سریانی کلیلہ دمنہ کو جو براہ راست پہلوی سے ۵۷۰ء کے قریب ترجمہ ہوئی ہے پروفیسر بیکل نے ۱۸۷۶ء میں چھپوایا ہے اس میں کل دس ابواب ہیں۔

ابن المقفع کے عربی ترجمہ کی اشاعت اٹھارھویں صدی کے ثلث ثانی سے شروع ہوئی ہے۔ سب سے پہلے ایک جرمن عالم پروفیسر شلٹن نے اس کے دو باب کو لاطینی ترجمہ کے ساتھ ۱۷۸۶ء میں شائع کیا اس کے تقریباً چالیس سال کے بعد پروفیسر دی ساسی نے ۱۸۱۶ء میں چار نسخوں سے مقابلہ کر کے کلیلہ دمنہ کو شائع کیا۔ اس میں کل اٹھارہ باب ہیں۔ پروفیسر گیڈی نے ۱۸۷۳ء میں عربی کلیلہ دمنہ کے متعلق ایک کتاب لکھی۔ اور اس میں دی ساسی کے نسخہ پر تین باب اور اضافہ کئے۔ ۱۹۰۵ء میں پروفیسر شیخو نے کلیلہ دمنہ کو نہایت اہتمام سے چھپوایا۔ اور اس میں وہ تمام ابواب شامل کئے جو اس وقت تک کلیلہ دمنہ کے قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں ملے ہیں۔ اور انکی مجموعی تعداد ۲۱ ہے۔ اور ان میں اخیر کے دو باب کو الحاقی بتایا ہے۔ عربی کلیلہ دمنہ کے اکیس ابواب کی تفصیل یہ ہے۔

باب ۱۔ بہنود بن سنجوان[1] عرف علی بن شاہ فارسی کا مقدمہ۔

---

[1] سنجوان۔ دی ساسی نے اس نام کو ستجوان لکھا ہے۔

آخر کے دو باب ڈی ساسی کے نسخہ میں نہیں ہیں۔ ان کو گیڈی نے بطور تکملہ چھاپا ہے اور شیخو نے لکھا ہے کہ یہ الحاقی حکایات ہیں۔

ان اکیس ابواب کے منجملہ پانچ باب ۵۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۱۔ پنچ تنتر کے پانچ ابواب سے کم و بیش مطابقت رکھتے ہیں۔ سریانی میں حسب ذیل دس ابواب ہیں۔ ۵۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۷۔ ۲۰۔

نصر اللہ کے ترجمہ میں جملہ اٹھارہ باب ہیں۔ ۲۔ ۳۔ ۵۔ ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ مترجم نے اپنے دیباچہ میں ابن المقفع کا دیباچہ شامل کر لیا ہے۔ اور علی شاہ کے مقدمہ کو باب سوم سے پہلے بطور تمہید کے لکھا ہے۔ عیار دانش اور نگار دانش کے ابواب نصر اللہ کے ترجمہ کے بالکل موافق ہیں۔

مولانا حسین واعظ نے انوار سہیلی میں دو باب ۲۔ ۳۔ چھوڑ دیئے ہیں۔ اور باب پنجم سے کتاب کی ابتدا کی ہے۔ اور اس سے پہلے علی شاہ کے مقدمہ کو بطور تمہید لکھا ہے۔

نصر اللہ کی کلیلہ دمنہ۔ انوار سہیلی۔ عیار دانش وغیرہ کے اس وقت تک جس قدر تراجم اور ایڈیشن شائع ہوئے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

کلیلہ دمنہ نصر اللہ مستوفی۔ بمبئی ۱۳۰۲ھ طہران ۱۳۰۵ھ

انوار سہیلی۔ لندن۔ ہرٹفورڈ ۱۸۵۱ء

〃 کلکتہ ۱۲۳۱ھ۔ مدراس ۱۲۴۲ھ۔ مصطفائی ۱۲۶۴ھ۔ بمبئی ۱۲۲۳ھ نو لکشور ۱۸۸۵ء

〃 ترکی ترجمہ۔ ہمایوں نامہ۔ بولاق ۱۲۵۱ھ اسلامبول ۱۲۹۳ھ

〃 اُردو ترجمہ۔ مترجمہ محمد ابراہیم علی۔ مدراس ۱۸۲۴ء۔

〃 〃 بستان حکمت۔ لکھنو ۱۲۶۱ھ

〃 انگریزی ترجمہ۔ مترجمہ اسٹواک۔ ہرٹفورڈ ۱۲۵۴ھ

〃 مترجمہ وِلسن۔ لندن ۱۸۷۸ء

عیار دانش۔ لکھنو ۱۸۶۹ء

عیارِ دانش۔ اُردو ترجمہ۔ خرد افروز۔ ہرٹفورڈ ۱۸۵۵ء

نگارِ دانش۔ لکھنو ۱۸۹۵ء

انوار سہیلی اور عیار دانش کے دیباچوں میں لکھا ہے کہ رودکی نے سلطان محمود کے حکم سے کلیلہ دمنہ کو نظم کیا۔ لیکن یہ خطائے عظیم ہے رودکی نے سلطان محمود کی تخت نشینی سے پہلے ۳۲۹ھ میں وفات پائی۔ اور امیر نصر بن احمد سامانی (۳۰۱ھ تا ۳۳۱ھ) کے حکم سے کلیلہ دمنہ کو نظم کیا ہے۔

امام فخر الدین محمد بن محمود بن احمد النیشاپوری[1]۔ علوم دینیہ میں امام وقت مانے جاتے تھے نیشاپور ان کا وطن تھا۔ غزنین میں سکونت تھی۔ ۵۲۹ھ بہرام شاہ ان کی بدرجہ غایت عزت و تعظیم کیا کرتا تھا۔ ۵۳۹ھ میں سلطان سنجر سلجوقی نے بہرام شاہ پر لشکر کشی کی۔ تو بہرام شاہ نے امام صاحب کو سفیر بنا کر سنجر کے دربار میں روانہ کیا۔ امام صاحب نے تگین آباد کے پاس سنجر سے ملاقات کی۔ اور کچھ ایسی باتیں کیں کہ فوراً مصالحت ہو گئی۔

امام صاحب نے مختلف علوم و فنون کی متعدد لطیف کتابیں تصنیف کی ہیں اس زمانہ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ بلاد مغرب میں کسی عالم نے پچاس جلدوں میں کلام اللہ کی تفسیر لکھی ہے اس پر امام صاحب نے اس کے جواب میں صرف ایک آیۃ کی تفسیر سو جلدوں میں لکھی۔ پچاس جلدوں میں خلق انسان کے معنی بیان کیے اور پچاس جلدوں میں خُلق انسان کے۔ ان کے علاوہ امام صاحب کی بعض تصنیفات کے نام یہ ہیں۔

۱۔ بصائر یمینی۔ فارسی زبان میں کلام اللہ کی ضخیم تفسیر ہے۔ حاجی خلیفہ نے البصائر فی التفسیر کے تحت میں اس کا سنہ [illegible] تصنیف لکھا ہے۔ لیکن یہ غلط ہے کیونکہ سلطان سنجر نے ۵۳۹ھ میں بہرام شاہ پر لشکر کشی کی تھی۔ اس وقت امام صاحب بہت بوڑھے تھے۔ اس لئے بعید ہے کہ آپ واقعہ کے ۴۰ سال بعد ایسی کبیر الحجم کتاب تصنیف کریں[2]۔

---

[1] عوفی جلد ا صفحہ ۱۰۲۔ ہفت اقلیم صفحہ ۱۴۳۔

[2] حاجی خلیفہ جلد ۲ صفحہ ۵۵۔

۲۔ جہاں آرا۔ الغرر والسیر کا ترجمہ ہے۔ حاجی خلیفہ نے اس کے مصنف کا نام محمد بن احمد النیشاپوری لکھا ہے[1]

۳۔ صحیفۂ اقبال۔ اس میں سیف و قلم کا معارضہ مرقوم ہے۔

امام الکبیر مجدالدین احمد بن محمد بن طیفور السجاوندی[2] مشہور و معروف عالم ہیں بہرام شاہ کے زمانہ میں غزنین میں رہا کرتے تھے ۵۶۰ھ سے پہلے ان کا انتقال ہوا ہے۔ ان کی تصنیفات سے بہت سی کتابیں مشہور رہیں۔ منجملہ ان کے دو کتابوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ عین المعانی فی تفسیر سبع المثانی۔ خود امام صاحب نے اس کا خلاصہ بھی لکھا ہے جس کا نام انسان عین المعانی ہے۔ اور اس کا ایک نسخہ مصر کے کتب خانہ خدیویہ میں موجود ہے۔

۲۔ ذخائر شمار۔ حاجی خلیفہ نے اس کا نام ذخائر نثار لکھا ہے[3] سجاوند غزنین کے مضافات میں ایک قریہ کا نام ہے۔ حکیم ابوالمجد مجدالدین مجدود بن آدم السنائی۔ غزنین ان کا وطن ہے۔ ...... مشہور عارف گزرے ہیں۔ امام ابویوسف ہمدانی کے مرید تھے۔ مورخین نے ان کے اشعار کی تعداد تیس ہزار بیان کی ہے دیوان کے علاوہ ان کی تصنیفات سے حسب ذیل مثنویاں ہیں حدیقۃ الحقیقت سیر العباد زاد السالکین طریق التحقیق کارنامہ بلخ عشق نامہ عقل نامہ بہروز و بہرام وغیرہ حدیقہ چھپ گیا ہے۔ اور عام طور پر ملتا ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے غریب نامہ کو بھی شیخ کی تصنیفات میں شمار کیا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ مثنوی خواجہ حسین ثنائی کی تصنیف ہے جو مرزا ابراہیم صفوی کے ندیموں سے تھا۔ شیخ نے ایک مطول قصیدہ میں سلوک کے معارف و حقایق بیان کئے ہیں۔ اس کا نام رموز الانبیا و کنوز الاولیا رہے۔ اور اس کا پہلا شعر یہ ہے۔

طلب اے عاشقانِ خوش رفتار — طرب اے نیکوانِ شیریں کار

---

[1] حاجی خلیفہ جلد ۱ صفحہ ۲۲۴۔ [2] حاجی خلیفہ جلد ۲ صفحہ ۳۲۶۔ [3] عوفی جلد ۱ صفحہ ۲۸۲ بروکلمن جلد ۱ صفحہ ۴۰۸۔ حاجی خلیفہ جلد ۳ صفحہ ۳۲۶۔ وجلد ۱ صفحہ ۴۰۸۔ ہفت اقلیم صفحہ ۲۰۴۔ [4] عوفی جلد ۲ صفحہ ۲۵۲۔ دولت شاہ صفحہ ۶۴۔ نفحات صفحہ ۶۹۵۔

شیخ نے غزنین میں وفات پائی ہے۔ تاریخ میں اختلاف ہے۔ حمد اللہ مستوفی کہتا ہے کہ بہرام شاہ کے زمانہ میں انکا انتقال ہوا ہے۔ دولت شاہ نے ۵۷۶ھ بیان کیا ہے۔ مولانا جامی اور مورخ فرشتہ نے ۵۲۵ھ بتایا ہے ریاض العارفین میں ۵۴۶ھ اور مجمع الفصحا میں ۵۹۰ھ مذکور ہے۔ شیخ کے کلام میں امیر معزی کا مرثیہ موجود ہے۔ امیر معزی نے سلطان سنجر کے تیر سے ۵۴۲ھ میں وفات پائی۔ پس ظاہر ہے کہ ۵۴۲ھ کے بعد شیخ نے وفات پائی ہے۔ مرثیہ کے دو شعر یہ ہیں۔

گر زہرہ بچرخ دوم آید نہ شگفت است | در ماتم طبع طرب افزائے معزی
کو حسرت در ہائے یتیمش چو یتیماں | بنشستہ عطارد بعزائے معزی

عبد الواسع جبلی گرجستان کا باشندہ ہے۔ وطن سے ہرات میں آ کر کسب کمالات کیا۔ یہاں سے غزنین میں آیا اور بہرام شاہ کے دربار میں قریباً چار سال باریاب رہا۔ متعدد قصاید غرا بادشاہ کی مدح میں تصنیف کیئے۔ اس کے بعد سلطان سنجر کے پاس چلا گیا۔ اور وہاں مدارج عالیہ حاصل کیئے۔ قصیدہ گوئی میں مشہور اُستاد ہے۔ صاحب آتشکدہ نے حسب ذیل الفاظ میں اسکے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے۔

در فن قصیدہ گوئی طرز خاصی دارد کہ کسے از استادان ماہر دراں طریق بمرتبہ آن نرسیدہ۔

۵۵۵ھ میں اس کا انتقال ہوا۔

فخر السیادۃ شرف الدین ابو علی حسن بن ناصر العلوی۔ غزنین کے مشاہیر صوفیہ سے ہیں۔ بہرام شاہ جب تخت نشین ہوا تو اس کی تہنیت میں آپ نے ایک قصیدہ لکھا۔ جس کا مطلع یہ ہے۔

(بقیہ صفحہ سابق) آتشکدہ صفحہ ۱۰۸۔ فرشتہ صفحہ ۱۵۔ بدایونی صفحہ ۱۳۔ سفینہ صفحہ ۱۶۷۔ مجمع الفصحا جلد ۱ صفحہ ۲۵۔ معزی کا مرثیہ مجمع الفصحا پر درج ہے صفحہ ۵۰۷

لہ دولت شاہ صفحہ ۷۵۔ آتشکدہ صفحہ ۱۰۱۔ مجمع الفصحا جلد ۱ صفحہ ۳۸۵۔ کہ عوفی جلد ۲ صفحہ ۲۷۰۔ دولت شاہ صفحہ ۵۰۔ آتشکدہ صفحہ ۱۰۲۔

ندائی برآمد ز ہفت آسماں   کہ بہرام شاہ ہست شاہ جہاں

آپ غزنین میں مرجع خلایق تھے۔ اور آپ کی مجالس وعظ و تذکیر میں عموماً ساٹھ ستّر ہزار آدمیوں مجمع رہا کرتا تھا اور ہزارہا آدمی آپ کے حلقہ ارادت میں شامل تھے جس کی وجہ سے بہرام شاہ بے اطمینان رہا کرتا تھا پس آپ غزنین سے نکل کر حرمین شریفین کو چلے گئے۔ اور ایک مدت کے بعد وہاں سے واپس ہو کر ولایت جوین میں آئے۔ اور ۵۶۵ھ میں اسی جگہ آپ کا انتقال ہوا۔ سلطان مسعود اور بہرام شاہ کی مدح میں آپ نے بہت سے قصائد لکھے ہیں۔ ان میں سے بعض قصائد کو صاحب مجمع الفصحا نے نقل کیا ہے۔ زمانہ قیام مکہ معظمہ میں آپ نے ایک قصیدہ بہرام شاہ کی مدح میں لکھا تھا جس کے دو بیت یہ ہیں۔

ہرگز بود کہ باز بہ بینم لقائے شاہ   شکرانہ در دو دیدہ کشم خاک پائے شاہ

سیارگان چرخ درافتند چوں شہاب   پا از برون نہند ز حد وفائے شاہ

علاوہ ان کے شعرا کی ایک کثیر جماعت بہرام شاہ کے دربار میں موجود تھی۔ اگر تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو ان کی ایک مفصل فہرست تیار ہو سکتی ہے۔ بخوف طوالت ہم صرف چند مشہور شعرا کے نام لکھتے ہیں۔

۱۔ اکمل الشعرا جمال الدین محمد بن ناصر العلوی[۱]
۲۔ تاج الحکما ابوبکر محمد بن علی الروحانی[۲]
۳۔ مختار الشعرا اسعد اللہ بن مسعود النوکی[۳]
۴۔ جمال الشعرا عبد الحمید العبہری[۴]
۵۔ استاد الائمہ عماد الدین الغزنوی[۵]
۶۔ حکیم الحکما ابی الرجا شہاب الدین علی الغزلوی[۶]

عوفی نے اپنے تذکرہ لباب الالباب میں ان شعرا کے حالات لکھے ہیں۔ اور قصائد اور دیگر کلام کو بھی نقل کیا ہے۔ استاد عماد الدین کی نسبت لکھا ہے کہ

استاد شعرائے عصر و مقتدائے فضلائے دہر بود۔ و دیوان اشعارش ہم دارد۔

صاحب مجمع الفصحا نے لکھا ہے کہ ابی الرجا کا ۵۹۷ھ میں انتقال ہوا[۷]

(بقیہ صفحہ سابق) مجمع الفصحا جلد ۱ صفحہ ۲۹۲۔ بدایونی صفحہ ۱۲۔ [۵] چہار مقالہ صفحہ ۳۳۔ عوفی جلد ۲ صفحہ ۲۷۶ [۶] عوفی جلد ۲ صفحہ ۲۸۲

باب یازدہم

آل سبکتگین کا انقراض

بہرام شاہ کی وفات۔ بہرام شاہ کے جانشین۔ خسرو شاہ۔ خسرو ملک کا پر آشوب زمانہ ابو المحاسن یوسف بن نصر الکاتب۔ شہاب الدین محمد جمال الملا سفر یوسف بن محمد الورنیدی۔

مورخین نے بہرام شاہ کے انتقال کی مختلف تاریخیں بیان کی ہیں۔ فخر الدین بناکتی نے ۵۵۲ھ اور حمد اللہ مستوفی نے ۵۴۷ھ لکھا ہے۔ بقول صاحب طبقات اکبری و ملا عبد القادر بدایونی و فرشتہ ۵۴۸ھ میں اس کا انتقال ہوا ہے۔ تاریخ ابن اثیر میں رجب ۵۴۸ھ مذکور ہے قاضی منہاج سراج نے ۵۵۲ھ بیان کیا ہے۔

بہرام شاہ کے بعد خسرو شاہ حکمران ہوا۔ فخر الدین بناکتی۔ حمد اللہ مستوفی۔ امام بیضاوی وغیرہ نے اس کو آل سبکتگین کا اخیر بادشاہ لکھا ہے۔ مورخ بناکتی کی عبارت یہ ہے۔

سلطان خسرو شاہ بن بہرام شاہ بحکم وراثت قائم مقام پدر شد۔ چون علاء الدین

(بقیہ صفحہ ما قبل) ۵۳ عوفی جلد ۲ صفحہ ۲۹۱۔

۵۴ عوفی جلد ۲ صفحہ ۲۹۵۔

۵۵ عوفی جلد ۲ صفحہ ۲۵۷۔

۵۶ عوفی جلد ۲ صفحہ ۲۷۶۔ چہار مقالہ صفحہ ۳۵۔

۵۷ مجمع الفصحا جلد ۲ صفحہ ۲۸۔

برسید خسرو شاہ بگریخت و بہ ہندوستان رفت علاؤالدین غزنہ را قتل و تاراج
کرد۔ و پسران برادر غیاث الدین ابوالفتح محمد و شہاب الدین ابوالمظفر
پسران سام بن حسن را آنجا بگذاشت و ایشان بحیل خسرو شاہ را بدست آوردند
و بہ قلعہ فرستادند و انقراض دولت غزنویان شد خسرو شاہ در سنہ خمس
و خمسین و خمسمائہ وفات یافت۔

برخلاف اس کے ابن اثیر منہاج سراج۔ میر خوند۔ احمد غفاری۔ نظام احمد بدایونی۔ فرشتہ وغیرہ کی تصریحات سے ثابت ہے کہ خسرو شاہ کے بعد اس کا لڑکا بادشاہ ہوا۔ اور اس نے باختلاف روایات بیس یا اٹھائیس سال بادشاہت کی ۵۸۲ھ میں شہاب الدین غوری نے لاہور کو فتح کرکے اسے گرفتار کر لیا۔ تو اس پر سلطنت آل سبکتگین کا خاتمہ ہو گیا۔

اس اخیر بادشاہ کا نام ابن اثیر نے ملک شاہ بن خسرو شاہ لکھا ہے۔ قاضی منہاج سراج۔ حسن نظامی میر خوند وغیرہ نے خسرو ملک بیان کیا ہے حسن نظامی نے فتح لاہور کے تحت میں تصریح کی ہے کہ خسرو ملک کے لڑکے کا نام ملک شاہ تھا۔ اور ۵۷۷ھ میں خسرو ملک نے گفتگوئے صلح کے لئے اسے سلطان شہاب الدین کے یہاں روانہ کیا تھا[1]

بہرام شاہ کے اخیر زمانہ سے تاریخ آل سبکتگین کا پرآشوب زمانہ شروع ہوتا ہے۔ یہ چالیس سال جنگ و جدال میں گزرے ہیں۔ اس مدت میں سلاطین غزنویہ کو اطمینان نہیں ملا ہے علاقہ غور کے شاہان آل شنسب سلاطین غزنویہ کے باج گزار تھے۔ اور انہوں نے بہرام شاہ سے ازدواج و مناکحت کے ذریعہ رشتہ بھی پیدا کر لیا تھا۔ بہرام شاہ اپنے داماد قطب الدین والی فیروزکوہ کو قتل کر دیا تو انتقام لینے کے لئے اس کے بھائی سیف الدین والی غور نے غزنین پر یورش کی۔ بہرام شاہ سے مقابلہ نہ ہو سکا تو پنجاب میں چلا آیا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد امرائے غزنین کی شرکت سے

[1] فرشتہ صفحہ ۵۷، ۵۵۔ ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۱۷۳۔

بہرام شاہ نے سیف الدین کو گرفتار کر لیا۔ اور اُسے بری طرح سے ذلیل و رسوا کر کے قتل کرا دیا۔ دو بھائیوں کے قتل ہونے سے علاؤ الدین کو سخت اشتعال ہوا۔ اور اس نے فوج کثیر لے کر غزنین کا رخ کیا۔ طرفین میں لڑائی ہوئی غزنین پر علاؤ الدین نے قبضہ کر کے آگ لگا دی۔ اور وہاں کے تمام باشندوں کو قتل کر دیا جس کی وجہ سے اس کا لقب جہاں سوز مشہور رہوا۔ بہرام شاہ شکست پا کر پنجاب میں آیا۔ اور اسی اثنار میں اس کا انتقال ہو گیا۔ بہرام شاہ کے بعد خسرو شاہ اور خسرو ملک کا زمانہ بھی غوریوں کے ساتھ لڑائی جھگڑے میں گزرا۔ خسرو شاہ نے غزنین واپس لینے کی دوبارہ کوشش کی۔ لیکن ہر وقت ناکامیابی ہوئی خسرو ملک کے زمانہ میں غوریوں نے پنجاب پر پیہم حملے کیے یہاں تک کہ سلطنت آل سبکتگین کا نشان مٹا دیا۔ باوجود اس قدر غیر اموں اور پر آشوب حالت کے خسرو شاہ اور خسرو ملک کے دربار ارباب کمال سے خالی نہیں تھے علم و ہنر اور شعر و سخن کا تھوڑا بہت چرچا ان کے خاتمہ تک جاری تھا۔

صدر الاجل جمال الدین ابو المحاسن یوسف بن نصر الکاتب[1] خسرو شاہ اور اُس کے لڑکے خسرو ملک کے دیوان الانشار کا افسر اعلیٰ تھا۔ فنون ادبیہ میں اس کو کمال مہارت حاصل تھی۔ عربی فارسی میں اس کے دو دیوان مشہور ہیں بڑا عالی ہمت اور قدر دان شخص ہوا ہے اس کے بعض قصائد مدحیہ عوفی نے اپنے تذکرہ میں نقل کیئے ہیں۔

الرئیس شہاب الدین محمد بن رشید۔ اس کا باپ سلطان ابراہیم کے ندیمان خاص سے تھا مسعود سعد سلمان نے اس کی مدح میں قصائد لکھے ہیں۔ شہاب الدین خسرو ملک کے اہل دربار سے ہے۔ اور اُس زمانہ کے مشاہیر علمار میں اس کا شمار ہوتا ہے ۵۹۰ھ میں اس کا انتقال ہوا اس نے سلطان کی مدح میں جو قصاید منظوم کیئے ہیں منجملہ اُن کے ایک قصیدہ کے چند اشعار یہ ہیں ؎

---

[1] عوفی جلد ا صفحہ ۹۶۔

روزی خوش است ابر دآفاق میکشد | دل سوئے ساقیانِ سمن ساق میکشد
دستان مرغ پردۂ عشاق می زند | عشرت گرفتہ دامن عشاق میکشد
بادِ صبا ز کلہ فیروزہ گونِ باغ | چنداں ہزار لعبتِ خفچاق میکشد
مستی ز ہوشیاری خوشتر مرا ازانک | مستی بمدح خسروِ آفاق میکشد

جمال الفلاسفہ ثقۃ الدین یوسف بن محمد الدربندی[1]۔ بلند پایۂ عالم اور یکتائے عصر فلسفہ داں ہوا ہے خسرو ملک کے امرائے کبار سے تھا ایام شباب میں اس نے بڑے بڑے مہام سلطنت انجام دیئے جب سلطنت غزنویہ تباہ ہو چکی تو یہ بھی فقیر ہو کر گوشہ نشین ہو گیا۔ اس کا مزار خطۂ لاہور میں مدت مدید تک زیارت گاہ خاص و عام رہا ہے۔

---

[1] عوفی جلد ا صفحہ ۱۰۶۔